مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

ماہنامہ خالد ربوہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سالانہ اجتماع انصار اللہ مرکزیہ میں اختتامی خطاب کے بعد دُعا فرما رہے ہیں۔

امان ۱۳۵۷ ہش
مارچ ۱۹۷۸ء

ایڈیٹر
حافظ مظفر احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ

"تیری عاجزانہ راہیں اس کو پسند آئیں" (الہام مسیح موعودؑ)

"قوموں کی اصلاح نوجوانوں کی اصلاح کے بغیر نہیں ہو سکتی" (المصلح موعودؓ)

مجلس خدام الاحمدیہ مرکزیہ کا ترجمان

جلد ۲۵ | نمبر ۵

مارچ ۱۹۷۸ء

امان ۱۳۵۷ ہش

ایڈیٹر

حافظ مظفر احمد

نائبین

بشارت احمد محمود • ملک خالد محمود

محمد الیاس منیر • سید حسین احمد

ماہنامہ

خالد

ربوہ

ادارىہ:

• صد سالہ احمدیہ جوبلی ———— صفحہ ۲

منظومات:

• تلاش (ڈاکٹر نصیر احمد خان ربوہ) ——— " ۴

انٹرویو:

• وفات مسیح پر بین الاقوامی کانفرنس ——— " ۵

سیرت و سوانح:

• حضرت خلیفۃ المسیح الاولؓ کی زندگی کا مختصر خاکہ " ۱۷

موازنۂ مذاہب:

• سکھ مذہب ———— " ۲۳

دیس بدیس:

• سیر البیوت ———— " ۲۹

سفرنامہ:

• کینیڈا کی سیر (دسویں قسط) ——— " ۳۳

شخصیات:

• جابر بن حیان ———— " ۳۹

جرم و سزا:

• عجیب و غریب سزائیں ———— " ۴۷

• پبلشر: محمد شفیق قیصر • پرنٹر: سید عبدالحی

• مطبع: ضیاء الاسلام پریس ربوہ

• مقام اشاعت: دفتر ماہنامہ "خالد" دارالصدر جنوبی ربوہ

اداریہ

صد سالہ

احمدیہ جوبلی

۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کا دن جماعت احمدیہ کے لئے خاص تاریخی اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن جماعت احمدیہ کی باقاعدہ طور پر بنیاد رکھی گئی ——— حضرت مسیح موعود علیہ السلام ان دنوں لدھیانہ میں مقیم تھے۔ آپ کے اشتہار پر ہندوستان کے مختلف اضلاع سے مخلصین لدھیانہ پہنچ گئے۔ حضرت منشی عبداللہ سنوری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق پہلی بیعت کا آغاز ۲۳ مارچ ۱۸۸۹ء کو حضرت صوفی احمد جان رضی اللہ عنہ کے مکان واقعہ محلہ جدید میں ہوا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیعت لینے کے لئے مکان کی ایک کچی کوٹھری میں تشریف فرما ہوئے۔ سب سے پہلے آپ نے حضرت مولانا نورالدین رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور مولانا کا ہاتھ کلائی سے زور کے ساتھ پکڑا اور بڑی لمبی بیعت لی۔ اس روز حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر باری باری چالیس افراد نے بیعت کی ——— اور اس طرح سلسلہ احمدیہ کی بنیاد رکھی گئی ——— الٰہی سلسلوں کی طرح خدائی بشارات کے مطابق یہ سلسلہ بڑھا گیا اور بڑھتا چلا جا رہا ہے۔

۲۳ مارچ ۱۹۸۹ء کو اس مقدس روحانی سلسلہ پر سو سال پورے ہو رہے ہیں۔ اس تاریخی اور عظیم الشان موقع پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز صد سالہ احمدیہ جوبلی بڑی شان کے ساتھ منانے کا اعلان فرما چکے ہیں۔ حضور نے فرمایا:- ———

"ہماری زندگی میں سلسلہ عالیہ احمدیہ کی زندگی میں دوسری صدی میں اسلام قریباً ساری دنیا پر غالب آجائے گا اور پھر جو تھوڑا بہت کام رہ جائے گا جماعت کو اسے شاید تیسری صدی میں کرنا پڑے۔"

جلسہ سالانہ ۱۹۷۳ء کے موقع پر صد سالہ احمدیہ جوبلی کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے حضور ایدہ اللہ نے اشاعت اسلام، اصلاح و ارشاد اور تربیت نفوس کے انتہائی وسیع اور ہمہ گیر منصوبہ کا اعلان فرمایا۔ جس کی اہم شقیں یہ ہیں:- ———

- برّاعظم افریقہ اور یورپ میں نئے مضبوط مراکز قائم کرنا اور اشاعت کی مہم تیز کرنا۔
- قرآن پاک کا (مختلف زبانوں میں) ترجمہ کرکے بنی نوعِ انسان کے ہاتھوں میں دینا اور مسیح موعود علیہ السلام کی تفسیر قرآن (ان کی زبان میں) ان تک پہنچانا۔
- ایک سو زبانوں میں بنیادی اسلامی لٹریچر تیار کرنا اور اسے تقسیم کرنا۔ اس سلسلہ میں پاکستان سے باہر دو بڑے پریس لگانا۔
- بین الاقوامی سطح پر جماعتوں اور احباب کے درمیان براہِ راست رابطہ
- مالی قربانی کا مطالبہ

مزید براں حضور نے اس سلسلہ میں تربیت و اصلاحِ نفس کے پیشِ نظر یہ اہم روحانی پروگرام بھی تجویز فرمایا:

- جماعت احمدیہ کے قیام پر ایک صدی مکمل ہونے تک ہر ماہ احباب جماعت ایک نفلی روزہ رکھا کریں جس کے لئے ہر قصبہ، شہر یا محلہ میں مہینہ کے آخری ہفتہ میں کوئی ایک دن مقامی طور پر مقرر کرلیا جایا کرے۔
- دو نفل روزانہ ادا کئے جائیں جو نمازِ عشاء کے بعد سے لے کر نمازِ فجر سے پہلے تک یا نمازِ ظہر کے بعد ادا کئے جائیں۔
- کم از کم سات بار روزانہ سورۃ فاتحہ کی دعا غور و تدبر کے ساتھ پڑھی جائے۔
- درود شریف اور تسبیح و تحمید نیز استغفار کا وِرد روزانہ ۳۳-۳۳ بار کیا جائے۔
- مندرجہ ذیل دعائیں روزانہ کم از کم گیارہ بار پڑھی جائیں:—
  - رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ؕ
  - اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَجْعَلُكَ فِىْ نُحُوْرِهِمْ وَنَعُوْذُبِكَ مِنْ شُرُوْرِهِمْ۔

——— اس وقت دعاؤں اور عبادات کے اسی روحانی پروگرام کی طرف خاص توجہ دلانا مقصود ہے۔

غلبۂ اسلام کی عظیم الشان صدی کے استقبال کی تیاری کے لئے خاص طور پر ہمارے نوجوانوں کو اس روحانی پروگرام میں پورے ذوق و شوق سے شامل ہونا چاہیئے ——— اور نہایت اہتمام اور باقاعدگی سے یہ دعائیں اور عبادات بجالانی چاہیئیں۔

——— اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے ——— ! (آمین)

منظومات

جناب ڈاکٹر نصیر احمد خان ربوہ

لاکھ کوئی کرے اُس شوخ کے ہمسر کی تلاش
ہے عبث سایۂ خورشیدِ منوّر کی تلاش

اُس کی نظروں میں ہے کیا مال و منالِ دُنیا
جس کے دِل میں ہو کسی اعلیٰ و برتر کی تلاش

جاں بلب پیاس سے ہیں ابیض و اسود سارے
کاش کوئی کرے پھر چشمۂ کوثر کی تلاش

کچھ نہ ہاتھ آئے گا آسودۂ ساحل ہو اگر
غوطہ زن بحر میں ہو کر کرو گوہر کی تلاش

جو پرانے تھے ستمگار، نہیں ان میں خروش
دوستو آؤ کریں اِک نئے دِلبر کی تلاش

میرا کعبہ تھیں کبھی شہرِ طرب کی گلیاں
اُس کی دیوار کی ہے مجھ کو نہ اب در کی تلاش

نخلِ شادابِ تمنّا میرا دِل جس کو ہے
سبزہ و لالہ و گُل سرو و صنوبر کی تلاش

میرا نذرانۂ دِل پیش کرو اُن کے حضور
حُسن والوں کو ہے اِک درد کے خوگر کی تلاش

کیسے زیبا ہے نصیرؔ آپ کو یاروں کا گلہ
کوئی خودبین کی کرتا ہے نہ خودسر کی تلاش

انٹرویو

جنابِ بشیر احمد خان رفیق امام مسجد لندن سے مدیرِ خالد کا ایک "انٹرویو"

جماعت احمدیہ انگلستان کے زیرِ اہتمام "وفاتِ مسیح" پر ایک نہایت اہم اور عظیم الشان بین الاقوامی کانفرنس ماہ جون میں لنڈن میں منعقد ہو رہی ہے، کانفرنس کے چیئرمین جناب بشیر احمد خان رفیق جلسہ سالانہ پر انگلستان سے تشریف لائے ہوئے تھے ۱۲ جنوری بروز جمعرات آپ سے مدیر "خالد" کا انٹرویو ہوا۔ حسبِ پروگرام آپ ۳ بجے بعد دوپہر سرائے خدمت گیسٹ ہاؤس خدام الاحمدیہ مرکزیہ میں تشریف لے آئے۔ محترم صاحبزادہ مرزا فرید احمد صاحب مہتمم اشاعت نے ریفریشمنٹ کا اہتمام فرمایا تھا۔ آپ کے علاوہ محترم محمد شفیق قیصر صاحب مدیر "تشحیذ الاذہان" اور نائب مدیر "خالد" ملک خالد مسعود بھی موجود تھے۔ تین بج کر دس منٹ پر انٹرویو شروع ہوا، جس کی تفصیل ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے:

پہلا سوال کانفرنس کے پس منظر سے متعلق تھا۔ محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ

آپ کو معلوم ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے صلیب پر سے زندہ اتارے جانے کی تحقیق کا سہرا بانیٔ سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سر ہے۔ پہلے پہل تو لوگ اس طرف نہیں آتے تھے لیکن گزشتہ پانچ سال سے کفنِ مسیح (Holy Shroud) کی وجہ سے اس سلسلہ میں کافی دلچسپی پیدا ہو گئی ہے۔

چنانچہ جولائی ۱۹۷۷ء میں کرسچین انسٹی ٹیوٹ آف گریٹ برٹن (Christian Institute of Great Britain.) نے کفنِ مسیح کے مستند ہونے (Othenticity of the Holy Shroud) پر ایک بڑی کانفرنس کی۔ جس میں اہم علمی شخصیات نے شرکت کی۔

امریکہ کی سائنسی لیبارٹری کے تین سائنسدانوں نے تھری ڈائی مینشن (Three dimention) فوٹوگرافی کے ذریعے ثابت کیا کہ یہ کفن اور اس کی تصویر اصلی ہیں۔ پھر انہوں نے پولن؎ (Pollen) کا ایک بہت بڑا ماہر سوئٹزرلینڈ سے منگوایا۔ اس نے ثابت کیا کہ اس کفن کی چادر کا پولن دو ہزار سال پرانا ہے اور یہ یروشلم کے علاقہ کا ہے اور جس جڑی بوٹی کا یہ پولن ہے وہ آج کل یروشلم میں نہیں ہوتی۔

اس کانفرنس میں مجھے بھی تقریر کرنے کا موقعہ ملا۔ بڑی مشکل سے صرف پانچ منٹ کا وقت ملا تھا۔

میں نے کہا کہ:

"آپ نے اس کفنِ مسیح کو مستند ثابت کر دیا ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح زندہ صلیب سے اتار لئے گئے تھے۔

اب ہم بحیثیت مسلمان آپ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ آپ یہ تحقیق بھی کریں کہ جو آدمی اس کفن میں لپیٹا گیا تھا وہ زندہ تھا یا مردہ؟"

اب اس موضوع پر کئی کتابیں ہیں۔ مثلاً کرٹ برنا (Kurt Berna) کی مشہور کتاب "An Inquist on Jesus Christ." ہے۔ اس میں اس نے ثابت کیا ہے کہ جو آدمی اس چادر میں لپیٹا گیا تھا وہ زندہ تھا اور اس کا دل کام کر رہا تھا۔

تو اس لحاظ سے یہ بھی دلچسپی کا ایک ذریعہ ہے کفن کا یہ کپڑا عیسائیوں کو دکھانے کے لئے برکت کے طور پر ہر چونتیس سال کے بعد کھولا جاتا ہے۔ ۳۴ سال بعد اس لئے کھولتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام جب صلیب پر چڑھے تو آپ کی عمر ۳۴ سال تھی۔ اس لئے ہر ۳۴ سال کے بعد تورین میں (جہاں یہ چادر رکھی ہوئی ہے) ایک میلہ لگتا ہے اور کفن کو اس کے تھیٹر سے نکال کر اور کھول کر دکھایا جاتا ہے۔

مئی ۱۹۷۸ء میں یہ ۳۴ سال پورے ہو رہے ہیں اور اس کفن کی نمائش ہو رہی ہے۔

کچھ عرصہ سے سائنسدان پولن کے پیچھے پڑے

؎ پولن زردگی کو کہتے ہیں۔ یہ جو کفنِ مسیح پر لگا ہوا ہے کپڑے پر مستقل قائم رہتا ہے اور عرصے سے بھی ضائع نہیں ہوتا

ہوئے تھے کہ کفن سے ایک انچ کا ٹکڑا کاٹ کر تحقیق کرنے کے لئے دیا جائے تا کہ معلوم کیا جاسکے کہ یہ کفن اصلی بھی ہے یا نہیں؟

پہلے تو پوپ نہیں مانتا تھا لیکن اس دفعہ دباؤ اتنا بڑھ گیا کہ پوپ نے ایک انچ کپڑا کاٹ کر سائنسدانوں کو دینے کی اجازت دے دی اور اس طرح اب ایک نئی چیز سامنے آ رہی ہے۔

اس سارے پس منظر سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گزشتہ سال جب میں یہاں آیا تو حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی خدمت میں تجویز پیش کی کہ کفن مسیح پر اب اتنا شور و ہنگامہ ہو رہا ہے (ان دنوں لندن کانفرنس ہونے والی تھی اور پھر ٹورین میں مئی [illegible] کی کانفرنس بھی) اب کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اس طرف مائل تو ہو جائیں کہ واقعی حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب پر فوت نہیں ہوئے لیکن حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی اس تحقیق کو مغربی لوگ اپنا کارنامہ قرار دے دیں۔

اس لئے اگر حضور پسند فرمائیں تو جماعت احمدیہ کی طرف سے بھی ایک کانفرنس ہو جس میں ایک تو ہم یہ ثابت کریں کہ حضرت مسیح صلیب سے زندہ اتر آئے تھے اور دوسرے اس حقیقت سے بھی دنیا کو روشناس کرایا جائے کہ یہ تحقیق حضرت مسیح موعود نے آج سے اسی سال قبل پیش فرمائی تھی اور اس کا سہرا آپ کے سر ہے۔

حضور ایدہ اللہ تعالیٰ نے یہ تجویز پسند فرمائی اور کانفرنس کی اجازت دے دی۔

جب کانفرنس پر کام شروع کیا گیا تو کئی باتیں سامنے آئیں۔ ایک دقت یہ تھی کہ کانفرنس میں اگر سارے مقررین احمدی ہوں تو اس کی اہمیت اتنی نہیں ہوگی۔ چنانچہ ہم نے کوشش اور محنت کر کے ۴۰۰-۵۰۰ ایسے افراد کے پتہ جات مختلف کتابوں، رسالوں اور ذاتی رابطہ سے حاصل کئے جنہوں نے اس موضوع پر تحقیق کی ہو۔ پھر ان سب کو ایک سرکلر کے ذریعہ اطلاع دی کہ ہم اس موضوع پر ایک کانفرنس کرنا چاہتے ہیں:۔

"The Deliverance of Jesus from the cross."

آپ بھی اس میں حصہ لیں۔ اور چونکہ آپ نے اس موضوع پر بڑی ریسرچ کی ہے اس لئے آپ کو اگر ہماری تجویز سے اتفاق ہو اور آپ اس موضوع پر مقالہ لکھنا چاہیں تو ضرور لکھیں۔

اس کا ردعمل خوش کن اور حوصلہ افزا ہوا چنانچہ ایک عیسائی کرٹ برنا نے ہمیں لکھا کہ ——
"میں اس کانفرنس میں شامل ہوں گا اور ایک مقالہ پڑھوں گا جس میں ثابت کروں گا کہ جو آدمی اس کفن میں لپیٹا گیا وہ زندہ تھا۔"

کانفرنس کے چیئرمین جناب بشیر احمد خان رفیق سے پوچھا گیا کہ کیا کرٹ برنا کی کوئی کتاب بھی ہے؟ آپ نے بتایا کہ اس کی کتاب "DAS-LINON" ہے۔ یہ شخص نہ صرف عیسائی ہے بلکہ بڑا

معروف اور عالم آدمی ہے۔ "شراؤڈ فاؤنڈیشن" کا چیئرمین ہے۔ تین چار کتابوں کا مصنف بھی ہے جن کا بڑا چرچا ہے
دوسرے حال ہی میں ایک کتاب چھپی ہے۔

"Jesus died in Kashmir."

کہ "مسیحؑ کشمیر میں فوت ہوئے"
یہ کتاب فابیور کرائز نامی ایک سپینش نے لکھی ہے۔ اصل کتاب سپینش زبان میں ہے۔ اس کا انگریزی میں ترجمہ ہوا ہے۔ چنانچہ اس سے رابطہ قائم کیا گیا۔ پہلے تو وہ کہتے تھے کہ "بے شک میں مانتا ہوں کہ مسیحؑ کشمیر میں فوت ہوئے۔ لیکن میں پکا عیسائی ہوں"۔ میں نے کہا۔ ہم آپ کو (زبردستی) مسلمان نہیں بناتے۔ آپ یہی بات کانفرنس میں پیش کریں۔ چنانچہ انہوں نے کانفرنس میں "Jesus died in Kashmir." پر مقالہ پڑھنے کا وعدہ کر لیا

تیسرا مقالہ ایک غیر از جماعت مسلمان دوست جناب پروفیسر ڈاکٹر حسنین آف کشمیر یونیورسٹی کا ہے۔ ان کی دو تین کتابیں ہیں جو چھپنے والی ہیں۔ ایک عنقریب سے چھپ رہی ہے۔ ایک چھوٹی سی کتاب چھپ چکی ہے۔ آپ گورنمنٹ کے ڈائریکٹر آف آرکیالوجی بھی ہیں۔ انہوں نے قبر مسیحؑ پر تحقیق کر کے ثابت کیا ہے کہ کشمیر (سری نگر) میں جو مقبرہ ہے وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ہی ہے۔ اور کسی کا نہیں ہو سکتا۔ ہم نے ان سے خط و کتابت کی۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ بھی کانفرنس میں آ کر اس موضوع پر مقالہ پڑھیں گے کہ:-

"Othenticity of the Tomb of Jesus."

یعنی قبر مسیحؑ کے مستند ہونے پر۔

چوتھا مقالہ ایک انگریز مسٹر گولڈ جرانے پڑھنے کا وعدہ کیا ہے۔ انگلستان کا نہیں کسی اور ملک کا باشندہ ہے جب اسے ہماری کانفرنس کا پتہ چلا تو اس نے مجھے خط لکھا اور پھر ملنے بھی آیا اور بتایا کہ اس نے ایک مقالہ لکھا ہوا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ "بیس سال ہوئے میں بیٹھا ہوا تھا کہ اپنے سامنے حضرت مسیحؑ کو کھڑے پایا"۔ وہ کہتے ہیں کہ کچھ دفعہ میرے

ساتھ یہ واقعہ ہوا۔ جب وہ میرے سامنے آئے۔ مَیں نے پوچھا۔ "آپ کون ہیں؟" انہوں نے کہا۔ "Jesus Christ" یعنی یسوع مسیح۔

پہلے تو مَیں ڈرا پھر مَیں نے کہا۔ "میرے آقا! میری خوش قسمتی ہے۔ آپ کہاں ہیں؟" انہوں نے کہا۔ "مَیں تمہاری ایک ڈیوٹی لگاتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ مَیں لعنتی موت نہیں مرا ہوں بلکہ مَیں جب صلیب سے اتارا گیا تو اس وقت بے ہوش تھا۔ لوگ سمجھے مرا ہوا ہے حالانکہ مَیں زندہ تھا۔ الغرض اس وقت مَیں بچ گیا اور اپنی کھوئی ہوئی بھیڑوں کی تلاش میں نکل گیا۔"

یہ واقعہ جسے ہم مسلمان کشف سے موسوم کرتے ہیں ان کی سمجھ میں تو نہیں آسکتا۔ وہ کہتے ہیں۔ پہلی بار جب یہ واقعہ ہوا تو مَیں حیران ہوا۔ گھبراہٹ بھی ہوئی کہ مَیں عیسائی ہوں یہ نئی بات کہاں سے آ گئی۔ مَیں کہیں پاگل تو نہیں ہو گیا؟ پھر میں ڈاکٹر کے کے پاس گیا۔ انہوں نے مجھے دوا دی۔ کچھ وٹامن دیئے مجھے آپ لوگوں کے اس عقیدہ کا علم نہیں تھا اور مَیں سمجھتا تھا کہ اگر مَیں نے اکیلے یہ بات کی تو لوگ کہیں گے پاگل ہے ——— اور مجھے ہمیشہ پختہ طور پر بتایا گیا تھا کہ مسیح صلیب پر فوت ہو گئے تھے۔

اس لئے ——— جب پندرہ سال میں کئی مرتبہ حضرت مسیح نے سامنے آکر مجھے کہا کہ اس بات پر کام کرو تو مَیں ہچکچاتا رہا ——— اب جب مجھے آپ کی جماعت کے ایسے ہی عقیدہ کا پتہ چلا تو میری حوصلہ افزائی ہوئی۔

چنانچہ مسٹر گولڈ وجرا نے خواہش ظاہر کی کہ وہ اس کانفرنس میں اپنا مقالہ پڑھیں گے۔ اور بتائیں گے کہ مَیں بڑا پکا عیسائی ہوں۔ مگر مجھے یہ رؤیا و کشوف بھی ہوتے ہیں اور خود حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے مجھے یہ کہا ہے۔

امام صاحب سے پوچھا گیا کہ کیا اس کا یہ اہم کشف چھپ چکا ہے؟

آپ نے بتایا کہ ایک رسالہ میں یہ کشف چھپا ہے اور اس کی کٹنگ ہمارے پاس موجود ہے سلسلۂ گفتگو جاری رکھتے ہوئے امام صاحب نے مزید بتایا کہ ان چار مقالہ نگار حضرات کے علاوہ ایک آدمی چیکو سلواکیہ کا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ مَیں ۴۵ سال سے مسیح کی زندگی (Life of Jesus) پر کام کر رہا ہوں اور یہ میرا خاص موضوع ہے۔ مَیں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تھے۔ آپ کا اشتہار مجھے ملا تو مجھے بہت شوق ہوا۔ لیکن ایک تو مَیں بوڑھا ہوں دوسرے شاید حکومت مجھے انگلستان آکر مقالہ پڑھنے کی اجازت بھی نہ دے اس لئے مَیں اپنا مقالہ لکھ کر بھجوا دوں تو کیا آپ وہ مقالہ پڑھوا سکیں گے؟

مَیں نے انہیں خط لکھا کہ آپ مقالہ بھجوا دیں ہم خود پڑھوائیں گے۔ اگر آپ آجائیں تو خوشی کی بات ہے ورنہ ہم انتظام کر لیں گے۔

اسی طرح یوگوسلاویہ سے ایک آدمی کا خط آیا

انہوں نے لکھا ہے کہ میں ۲۰-۲۲ سال سے ریسرچ کر رہا ہوں اور تین چار کتابیں بھی لکھی ہیں جو آپ کو بھجوا رہا ہوں۔ یہ ساری کتابیں کرشنؑ اور کرائسٹ کی زندگی پر ہیں۔ یہ سب انگریزی زبان میں نہیں بلکہ دوسری زبانوں میں ہیں۔

بہرحال انہوں نے لکھا ہے کہ میری تحقیق کا نقطۂ اختتام یہ ہے کہ مسیحؑ صلیب پر نہیں مرے۔ اب آپ کی اس تحریک سے مجھے مزید حوصلہ ہوا ہے ورنہ میں اکیلا یوگوسلاویہ میں یہ نظریہ رکھتا تھا اور لوگ میری بات نہیں سنتے تھے ——— میں نے گورنمنٹ کو درخواست دے دی ہے اگر اجازت مل گئی تو درست ورنہ آپ میرا مقالہ پڑھوا دیں۔

یہ ساری باتیں ربوہ آنے سے آٹھ دس روز قبل کی ہیں۔ اب واپس جانے تک امید ہے ہوتے ہوتے کئی مقالے ہو جائیں گے اگر سارے کانفرنس میں نہ بھی پڑھائے جا سکے تو شائع کروا دیئے جائیں گے۔ اس کے علاوہ جماعت میں سے جو لوگ حضور ایدہ اللہ کی اجازت سے مقالے پڑھیں گے ان میں سے شیخ عبدالقادر صاحب محقق ہیں۔ آپ کے مقالہ کا عنوان "واقعہ صلیب کے بعد مسیح کا سفر" (The Travels of Jesus after the incident of cross.) وہ مسیحؑ کے اس راستہ، سفر کو پیش کریں گے جس پر انہوں نے ریسرچ کی ہے۔

اسی طرح صاحبزادہ مرزا مظفر احمد صاحب "The lost twelve tribes of Israil." یعنی اسرائیل کے بارہ گمشدہ قبائل کے موضوع پر تقریر کریں گے۔

محترم عبدالسلام میڈسن صاحب آف ڈنمارک مسیحؑ کے صلیب سے اترنے کے متعلق قرآنی نظریہ "The Deliverence of Jesus from the cross" (Quranic-evidence.) پیش کریں گے۔

میرا مضمون بھی بائیبل کی روشنی میں یہی ہے یعنی "The Deliverence of Jesus from the cross" (Biblical-evidence.)

کانفرنس کے پروگرام کے بارے میں محترم خان بشیر احمد خان رفیق امام مسجد لندن نے بتایا کہ جمعہ کے روز ہم کانفرنس شروع کریں گے۔ جو ہفتہ کا پورا دن اور پھر اتوار تک جاری رہے گی۔ اتوار کے روز صرف امام جماعت احمدیہ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کا خطاب ہوگا اور کوئی کارروائی نہیں ہوگی۔

ایک سوال یہ کیا گیا کہ کانفرنس کا انتظام کہاں کیا جا رہا ہے؟

امام صاحب نے بتایا کہ ایک پرائیویٹ ہال میں انتظام کیا جا رہا ہے۔ یہ "Common-wealth Institute." کا مشہور ہال ہے۔ جو دولتِ مشترکہ نے مختلف ممالک کے

لیے بنوایا تھا۔ یہ بہت بڑا ہال ہم نے ریزرو کروا لیا ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ ایک تھیٹر کا حصہ کہلاتا ہے اور ایک بڑا ہال (Main Hall)۔ پہلے تو یہ پروگرام تھا کہ تھیٹر والے چھوٹے حصہ میں کانفرنس ہو اس میں ۴۵۰ سیٹوں کا انتظام ہے ہمارا خیال تھا کہ اتنے لوگ بھی آجائیں تو کافی ہے۔ اور حضور ایدہ اللہ کے خطاب والے دن اڑھائی تین ہزار سیٹوں کی جگہ کا انتظام بڑے حصہ میں کرنے کا پروگرام تھا۔ لیکن اب جو پاکستان سے اس کانفرنس میں شرکت کے لئے آنے والوں کی قطار لگی ہوئی ہے اس میں سے اگر ۷۰ فیصد بھی آجائیں تو اندازہ ہے کم دو سو (۲۰۰) تو وہیں سے آجائیں گے۔ اس لئے اب وہ جگہ بدلنی پڑے گی۔ پروگرام یہ ہے کہ جاتے ہی کسی بڑی جگہ کا انتظام کیا جائے۔ پاکستان سے ان دو اڑھائی سو کے علاوہ ہمارے لنڈن کے بھی سو ڈیڑھ سو احباب ہوں گے۔ امریکہ سے چالیس آدمی آ رہے ہیں۔ ماریشس سے دس —— گی آنا ہے دو اور فیجی سے ایک آدمی نے آنے کا لکھا ہے۔ اس طرح ہمارے مہمانوں کی متوقع تعداد پانچ چھ سو بنتی ہے۔

اس سوال پر کہ اس کانفرنس کی اشاعت اور پبلسٹی کے بارے میں آپ نے کیا انتظام کیا ہے؟ محترم امام صاحب نے بتایا کہ اس سلسلہ میں ہم نے ایک تو پروفیشنل کمپنی کی خدمات حاصل کی ہیں جو اس کی پبلسٹی کا کام کر رہی ہے۔ دوسری صورت پریس کی ہے۔ پہلے پریس میں ابتدائی خبر کانفرنس کی چھپی۔ پھر ۲ دسمبر کو ایک پریس کانفرنس بلائی گئی اور اس سے خطاب کیا۔ یہ کانفرنس بڑی کامیاب رہی۔ ۳۶ صحافی اس میں شامل ہوئے۔ انگلستان جیسی جگہ میں اگر پندرہ صحافی بھی آجائیں تو بڑی بات ہے۔ ان ۳۶ صحافیوں میں چھ نمائندے بی بی سی کے مختلف زبانوں انگریزی، عربی، بنگلہ اور مغربی افریقہ کی زبانوں کے تھے۔ تقریباً سارے بڑے بڑے اخبارات کے نمائندے موجود تھے اور ان سب اخبارات نے بھی کانفرنس کی خبر دی۔ ان میں سب سے زیادہ دلچسپی "چرچ ٹائم" (Church Times) لے رہا ہے۔ یہ عیسائیوں کا ایسا ہی اخبار ہے جیسی طرح ہماری جماعت کا الفضل ہے لیکن اس کی اشاعت کچھ ملین ہے۔ اس اخبار نے پہلے صفحہ کی پیشانی پر موٹا سا عنوان دیا کہ:-

"مسلمانوں نے ایک نئی مہم
شروع کر دی"

اور نیچے پریس کانفرنس کی تفصیلی خبر دی اور اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات اس نے یہ لکھی کہ اس کانفرنس سے متعلق فلاں بشپ سے رابطہ کر کے پوچھا گیا کہ اب کیا کیا جائے۔ یہاں تو ایک نیا قصہ شروع ہے۔ اس نے کہا۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ان کی باتیں بھی سن لینی چاہئیں۔

اور سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم بات آخر میں یہ لکھتا ہے کہ چرچ نے مسلمانوں کی سرگرمیاں

کی نگرانی کے لئے ایک کمیشن مقرر کر دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کانفرنس سے عیسائیوں کو گھبراہٹ تو پیدا ہو گئی ہے کہ چرچ نے اسے اتنی اہمیت دے کر اس کا نوٹس لیا۔

اسی طرح کیتھولک ہیرالڈ نے کانفرنس کی خبر شائع کی۔

"What is on" ایک رسالہ ہے یہ کثیر تعداد میں چھپتا ہے۔ اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی بڑے سائز کی خوبصورت تصویر دے کر نیچے پریس کانفرنس کی تفصیلی خبر دی گئی۔

لندن کے روزنامہ "جنگ" نے مری لگر میں مسیح کے مقبرے کی تصویر چھاپی اور نیچے اس کی خبر دی۔

ان کے علاوہ اور بے شمار اخبارات ہیں اسی طرح ریڈیو کے ذریعہ بھی پبلسٹی کا سلسلہ جاری ہے لندن میں بی بی سی کے کئی اسٹیشن ہیں۔ ریڈیو فور عموماً علمی اور مذہبی بحث لیتا ہے۔ یہاں سے ساڑھے آٹھ منٹ کا میرا ایک ریکارڈ کیا ہوا انٹرویو اتوار کو نشر کریگی۔ جو ہم نے بھی ریکارڈ کر لیا ہے۔

ایل بی سی یعنی "لندن براڈ کاسٹنگ کارپوریشن" کا ریڈیو لندن میں سب سے زیادہ سنا جاتا ہے انہوں نے بھی ساڑھے سات منٹ کا میرا ایک انٹرویو ریکارڈ کیا۔ وہ بھی ریڈیو سے نشر ہوا معلوم ہوا ہے کہ پاکستان میں بی بی سی کے ... کے پروگرام میں اس پریس کانفرنس اور ہماری "وفات مسیح کانفرنس" کی خبر آئی ہے۔

اسی طرح سنا ہے کہ "کیہان انٹرنیشنل" جو ایران کا بڑا اہم اخبار ہے۔ اس نے بھی کانفرنس کی خبر شائع کی ہے۔

ہماری پریس کانفرنس میں "اے پی پی" اور "رائیٹر" والوں کے علاوہ اہم رپورٹر بھی موجود تھے انھوں نے خبریں دی ہوں گی۔

گوٹن برگ (سویڈن) کے ایک اخبار نے مجھ سے انٹرویو کیا تھا۔ تصاویر بھی لی تھیں ——

میرا خیال ہے کہ واپس جانے تک کافی حد تک اس کی اشاعت ہو چکی ہوگی۔ میں جنوری میں واپس جاؤنگا اور ہم مزید پبلسٹی کریں گے۔ فروری کے پہلے ہفتہ میں

یارک شائر (YORK SHIRE.) میں پریس کانفرنس کریں گے - جون کے آخر میں برمنگھم میں پریس کانفرنس بلائیں گے - مارچ کے پہلے ہفتہ میں گلاسگو میں ایک پریس کانفرنس ہو گی اور اس طرح ملک کے چھوٹے چھوٹے اخبارات کے ذریعہ بھی کانفرنس کی پبلسٹی کا کام وسیع پیمانہ پر ہو سکے گا

ایک سوال یہ تھا کہ کانفرنس کے بارہ میں، مسلمانوں اور عیسائیوں کا کیا ردّعمل اور رویّہ ہے؟

امام صاحب نے بتایا کہ مسلمانوں میں تو کوئی خاص ردّعمل نہیں ہے اور نہ انہیں کوئی دلچسپی ہے لیکن میں نے بتایا کہ چرچ کافی چوکنّا ہو گیا ہے - اسے دلچسپی یہ ہے کہ انہوں نے ایک کمیشن قائم کر دیا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سے عیسائی دنیا میں خاصی ہلچل مچی ہے - چنانچہ حالیہ پریس کانفرنس میں ایک جرنلسٹ نے کہا کہ :-

"اگر آپ کا یہ نظریہ درست ثابت ہو جائے تو عیسائیت دنیا سے ختم ہو جائے گی۔"

میں نے جان بوجھ کر (کہ اسے ٹھیس نہ پہنچے) کہا کہ ہم تو حقیقت کی بات کر رہے ہیں - عیسائیت اس سے ختم نہیں ہو گی - کہنے لگا :-

"نہیں نہیں یہ کیسے ہو سکتا ہے؟"

اور کہنے لگا :-

"You are putting an axe on the foundation of christianity".

کہ تم لوگ عیسائیت کی جڑوں پر کلہاڑا رکھ رہے ہو -

بہرحال عیسائیوں کو یہ احساس ہے کہ اگر یہ ثابت ہو گیا تو عیسائیت کا کچھ نہیں رہے گا -

ایک سوال یہ کیا گیا کہ کانفرنس کے متوقع نتائج یا اثرات کیا ہو سکتے ہیں؟

جناب بشیر احمد خان رفیق نے بتایا کہ اوّل تو یہ کہ اس کانفرنس میں حضور ایدہ اللہ تعالیٰ کی تقریر ہو گی - کانفرنس کا آخری دن ہو گا - پریس بھی موجود ہو گا - میں سمجھتا ہوں کہ بہت بڑا اثر ہو گا -

ایک بڑا امر تو یہ ہے کہ ہمیں اس اثر کو قائم رکھنے کے لئے تبلیغ کا طریق جاری رکھنا پڑے گا تا اس عظیم الشان تحقیق سے ہم خاطر خواہ نتائج حاصل کر سکیں - ـــــ اگر اس کانفرنس سے ہم نے صحیح فائدہ اٹھانا ہے تو ہمیں اس کے کام کو جاری رکھنا پڑے گا - مثلاً اسی قسم کی کانفرنس غانا میں بھی ہو جائے - امریکہ میں بھی ہو جائے - پاکستان میں بھی ہو جائے - الغرض جہاں ہو سکتی ہے کی جائے - اس طرح ایک شور برپا کر دیا جائے تب جا کر اس کا حقیقی اثر پڑے گا - لیکن اگر انگلستان میں ہم نے کر دی تو یورپ میں تو شور مچ جائے گا - لیکن اگر یہ شور رُک گیا تو پھر بات ختم ہو جائے گی - اس سلسلہ میں ہم نے ایک اور سکیم سوچی ہے وہ یہ کہ

اس موضوع پر بہت سی کتابیں شائع کی جائیں۔
چنانچہ "مسیح کشمیر میں" (Jesus in Kashmir) لندن سے دس ہزار کی تعداد میں
چھپ رہی ہے۔ حضور ایدہ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ
مجلد ہو، خوبصورت ہو۔ چنانچہ ہم نے آرڈر
دے دیا ہے۔ جناب محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان
صاحب نے اس پر نظر ثانی بھی کر لی ہے۔

اسی طرح خود محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان
صاحب نے ایک کتاب خاص اس مقصد کے لئے تیار
کی ہے۔ اس کا نام اور کانفرنس کا نام ایک ہی ہے
یعنی "The Deliverance of Jesus from the cross." یہ [illegible]
صفحات کی کتاب ہے۔ جلد چھپ جائے گی۔ لیکن ہم
اس کو صرف ایک ہفتہ قبل مارکیٹ میں لائیں گے۔
اس کے علاوہ ایک کتاب "Where did Jesus die" (مسیح کہاں فوت ہوئے)
بھی چھپ رہی ہے۔ اس کے علاوہ جو مقالے کانفرنس
میں پڑھے جائیں گے۔ ہم نے سب سے کہا ہے کہ وہ
ہمیں فروری تک مل جانے چاہئیں۔ بلکہ حضور کی
خدمت میں بھی درخواست کی۔ تو حضور نے ارشاد
فرمایا کہ فروری میں مقالہ مل جائے گا۔ ارادہ یہ ہے
کہ انہیں چھپوا لیں لیکن شائع نہ کریں۔ جب حضور ایدہ
اللہ کی تقریر ختم ہوگی تو اس وقت ہم یہ اعلان کر
دیں گے کہ جتنے مقالے حضور کے مقالہ سمیت پڑھے
گئے ہیں وہ شائع شدہ موجود ہیں اور حاصل کئے جا سکتے
ہیں۔ اس طرح ایک ریکارڈ ہو جائے گا۔

یہ تو تھے ہماری اشاعت کے کام۔ اس کے
ساتھ ہم نے یہ ارادہ بھی کیا ہے کہ ہم ایک نمائش
کا اہتمام بھی کریں گے اور ہر وہ کتاب جو اس موضوع
سے متعلق ہے خواہ دوست کی ہے یا دشمن کی۔ وہ
ہم وہاں پر ترتیب کے لحاظ سے رکھیں گے۔

سب سے پہلے حضرت مسیح موعود علیہ
السلام کی قد آدم تصویر ہوگی۔ اس پر جلد لائیٹ
ہوگی اور لکھیں گے کہ یہ وہ شخص ہے جس نے یہ تحقیق
کی تھی۔ اس کے ساتھ حضرت مسیح موعود علیہ السلام
کی کتاب "مسیح ہندوستان میں"۔ پھر سلسلہ کی
کتب اور اس کے بعد غیروں کی کتابیں جیسے کروٹرما
کی کتابیں۔ اور ساتھ ہی حضرت مسیح علیہ السلام کے
سفر کے نقشے چسپاں ہوں گے۔ جو اس وقت پروفیسر
حسنین تیار کر رہے ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ میں
بیس پچیس نقشے تیار کروا رہا ہوں۔ وہ خود ڈاکٹر
ہیں اور ان کے ذرائع بھی کافی وسیع ہیں۔ وہ نقشے

لگائیں گے۔ ان پر لکھا ہوگا:-

"TRAVELS OF JESUS"

یعنی مسیح کے سفر۔

پھر ہمارے پاس کشمیر کے مقبرہ کی تین سو سلائیڈز ہیں اس کے لئے ایک آٹومیٹک پروجیکٹر کا انتظام کر رہے ہیں جو ہر ۵ منٹ کے بعد ایک تصویر دکھائے گا اور بھی کئی متعلقہ تصاویر بنوائی ہیں۔

پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے خاص حوالے ہیں۔ ان کو بڑے بڑے سائز پر لکھ کر چاروں طرف لگائیں گے مقصد یہ ہے کہ ایک آدمی جب اس نمائش گاہ سے گزر کر ہال کے آخر تک پہنچے۔ اس کو سلسلہ کی اس تمام تحقیق کا پورا تعارف ہو جائے۔ اگر کوئی کتاب خریدنا چاہے تو وہ بھی دستیاب ہوگی۔ اس کے علاوہ ہم چند پمفلٹس مفت دینے کے لئے چھاپ رہے ہیں۔ جیسے "مسیح کشمیر میں" ——— "مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے" ——— "مسیح کہاں فوت ہوئے؟" ——— "مسیح کشمیر میں فوت ہوئے" وغیرہ وغیرہ ان تمام عناوین پر انگریزی میں کتابچے شائع کر رہے ہیں۔

ایک سوال یہ تھا کہ کفن کا وہ ٹکڑا جس پر سائنسدان تحقیق کر رہے ہیں (کہ آیا وہ اصلی ہے یا نہیں؟) اگر اسے ضائع کر دیا گیا یا غلط نتیجہ نکالا گیا تو؟

امام صاحب نے فرمایا۔ ہمیں اس بات سے فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت تک بہت امکان ہے کہ شراؤڈ کو ضائع کر دیا جائے کیونکہ چرچ اس کے بہت خلاف ہو گیا ہے اور چرچ کے کئی بیان اُلٹے سیدھے آ گئے ہیں کہ اس کا کیا ثبوت ہے؟ لیکن ہمیں اس لئے بھی فرق نہیں پڑتا کیونکہ اصل تحقیق تو ہو گئی اب اس کو کیسے ضائع کریں گے۔ کرسٹینا کی تحقیق کو کیا کریں گے؟

دوسرے ہماری ساری بنیاد تو اس پر ہے ہی نہیں یہ تو ہماری تحقیق کا ایک جزو ہے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وقت میں تو کفن مسیح کا علم بھی نہ تھا بلکہ یہ منظر عام پر بھی نہ آیا تھا۔ مجھ سے ایک جرنلسٹ نے یہ سوال کیا کہ اگر یہ ثابت کر دیا جائے کہ کپڑے سے معلوم نہیں ہو سکا کہ یہ پرانا اور اصلی ہے تو کیا ہوگا؟ تو میں نے کہا۔ کچھ بھی نہیں کیونکہ ہماری تحقیق کی بنیاد ہی اس پر نہیں۔ یہ تو اس کا صرف ایک حصہ ہے۔ اگر نہیں تو نہ سہی۔

امام صاحب سے پوچھا گیا۔ کیا اس بات کا بھی امکان ہے کہ یہ لٹریچر جو اب تک چھپ چکا ہے اس کو بھی تلف کرنے کی کوشش کی جائے؟

انھوں نے جواب دیا۔ ضرور کریں گے۔

کانفرنس کے ردِ عمل کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ کی تیاری کے سوال پر آپ نے کہا کہ ہمیں اس کے لئے اپنی

تبلیغ بڑھانی پڑے گی کیونکہ ہم ان سے مالی لحاظ سے تو مقابلہ نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنی تبلیغی مہم کو تیز کرنا پڑیگا۔

اس سوال پر کہ کانفرنس کے نتیجہ میں ساری دنیا میں ایک ہلچل پڑے گی اور اس کے لئے بین الاقوامی سطح پر سوچا ہوگا۔

امام صاحب نے فرمایا۔ مخالفت بھی ضرور ہو گی۔ اگرچہ زیادہ عیسائی، عیسائی نہیں رہے لیکن جب ان کے خدا کو چوٹ لگ جائے تو وہ بھی جوش میں آجائیں گے۔ اور مخالفت تیز ہو جائے گی۔ پھر ہم بھی انشاء اللہ تعالیٰ اپنا کام اس سے بھی زیادہ تیزی سے شروع کر دیں گے۔

آپ سے پوچھا گیا کہ جو لوگ شراؤڈ کو مستند نہیں مانتے کیا کانفرنس میں ان کی نمائندگی بھی متوقع ہے؟

امام صاحب نے فرمایا۔ نہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ایسے لوگ نہ ہونے کے برابر ہیں۔ سوائے چرچ کے۔ چرچ بھی یہ نہیں کہتا کہ شراؤڈ مستند نہیں۔ بلکہ وہ کہتا ہے کہ پورا ثبوت نہیں۔ ابھی تک یہ کہنے کی ان کو جرأت نہیں ہوئی کہ یہ کہہ دیں کہ یہ بناوٹی ہے۔ یہ بات نہ چرچ کہتا ہے اور نہ عوام۔ کہتے یہی ہیں کہ ہولی شراؤڈ (Holy Shroud) ہے

چرچ نے بھی دبے لفظوں میں یہ کہنا شروع کر دیا ہے کہ اس کی چار سو سال کی تاریخ نہیں ملتی۔ مثلاً وہ کہتا ہے کہ فلاں نامی مقام سے یہ غائب ہوا پھر قسطنطنیہ سے نکل آیا۔ درمیان میں چار سو سال کا عرصہ (Gap) ہے وہ کہتے ہیں ہو سکتا ہے کہ کسی اور نے یہ بنا دیا ہو۔ لیکن اس کے مقابل پر سائنٹیفک

تحقیق ہو گئی مثلاً یہ کہ ثابت کیا گیا ہے کہ یہ دو ہزار سال پرانا ہے تو اس میں چار سو سال کا طویل وقفہ بھی آگیا۔ پھر تھری ڈائی مینشن والی تصویر کے متعلق بھی کہتے ہیں کہ یہ مصنوعی ہے ہی نہیں بلکہ اصلی ہے

اس لئے اس سے وہ انکار نہیں کر سکتے سوائے اس کے کہ اس کو جلا کر ضائع کر دیں۔ اس بات کا اظہار بہت ہو رہا ہے کہ اس عمارت کے کسی حصہ کو جلا کر کہہ دیں کہ چادر بھی جل گئی ہے یا غائب کر دیں اس کا خطرہ تو ہے۔

امام صاحب سے کفن مسیح کی تصویر کے متعلق پوچھا گیا تو آپ نے بتایا کہ فوٹو وغیرہ تو ہم نے لئے ہوئے ہیں ان کی بھی نمائش قد آدم تصاویر سے ہوگی وہ ہم تیار کر رہے ہیں۔

کانفرنس کے انتظامات کے متعلق امام صاحب نے بتایا کہ انتظامات کے لئے ہم نے ایک کمیٹی بنا دی ہے جس کا میں چیئرمین ہوں۔ باقی مبلغین بھی میرے ساتھ کام کر رہے ہیں۔ تقریباً پانچ چھ سو مہمانوں کی آمد متوقع ہے ان تمام مہمانوں کے قیام و طعام کا انتظام لندن کی جماعت کرے گی۔ اور ایک ہفتہ تک ان کے کھانے کا مفت اہتمام کرے گی۔

آخر میں محترم بشیر احمد خان صاحب رفیق نے فرمایا کہ ہم کانفرنس میں شامل ہونے والے تمام افراد کو نہایت خوشی سے "خوش آمدید" کہیں گے۔۔

○

"چہ خوش بودے اگر ہر یک ز اُمّت نور دیں بودے
ہمیں بودے اگر ہر یک پُر از نورِ یقیں بودے"

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ کی زندگی کا مختصر خاکہ

جناب محمود مجیب اصغر انجینیر راولپنڈی

(۸)

مخالفین کا خیال تھا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی وفات کے بعد یہ سلسلہ ختم ہو جائیگا لیکن خدا تعالیٰ نے نظامِ خلافت کی برکت سے جماعت کو ہر قسم کی تائید و نصرت سے سرفراز فرمایا اور ہر دن جو جماعت پر چڑھا وہ فتح و ظفر کا پیغام ساتھ لایا۔

خلافت کے پہلے سال آپؓ نے مخالفین کے حملوں کے جواب میں خود بھی لکھا اور علماءِ سلسلہ سے بھی لکھوایا۔ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد (المصلح الموعود خلیفۃ المسیح الثانیؓ) سب سے بڑھ کر میدانِ عمل میں آئے اور ایک مضمون کئی قسطوں میں شائع کروایا جو ۱۰ جولائی ۱۹۰۸ء کو ایک کتابچہ کی شکل میں شائع ہوا۔ حضورؓ نے اس کتاب کا نام الہام الٰہی سے "صادقوں کی روشنی کو کون دور کر سکتا ہے؟" رکھا۔ اس کے علاوہ آپؓ نے بیت المال کا ایک مستقل محکمہ قائم فرمایا۔ حضورؑ کی یاد میں دینی مدرسہ کے لئے تحریک فرمائی اور تبلیغ کے لئے باقاعدہ واعظین مقرر فرمائے۔ بصرہ کی جائداد صدر انجمن احمدیہ کے نام ہبہ کر دی۔ کئی انتظامی اصلاحات فرمائیں۔ سیدنا محمودؓ نے آپؓ کی اجازت سے بعض تبلیغی سفر کئے اور اشاعتِ اسلام کا کام کیا۔ خلافتِ اولیٰ کے پہلے جلسہ سالانہ پر آپ نے دو معرکہ آرا تقاریر فرمائیں۔ قرآن و حدیث کا درس بدستور جاری رکھا۔

(۹)

خلافت کے دوسرے سال مولوی محمد علی صاحب اور خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ کی سرگرمیاں

فتنۂ انکارِ خلافت برپا ہوا۔ وہ خلیفہ کے اختیارات محدود کرنا چاہتے تھے اور خلافت کے مقابل پر انجمن کی بالا دستی اور حاکمیت چاہتے تھے۔ آپؓ نے اپنی توجہ روحانی دعاؤں اور موثر تقاریر کے ذریعہ اس فتنہ کا زور توڑا اور چونکہ مذکورہ بالا حضرات بے نقاب ہو چکے تھے اس لئے آپؓ نے ان سے دوبارہ بیعت لی۔ سیدنا حضرت محمودؓ کو صدر انجمن احمدیہ کا "میر مجلس" مقرر فرمایا اور ۱۴؍اکتوبر ۱۹۰۹ء کو عید الفطر کے روز ایک جلالی خطبہ دیا۔ اور اطاعتِ خلافت اور وحدتِ قومی پر زور دیا۔

آپؓ کی اجازت سے اس سال مباحثہ رامپور و منصوری منعقد ہوئے۔ اس سال آپ نے خواجہ حسن نظامی، نواب وقار الملک اور ڈاکٹر سر محمد اقبال کے نام مکتوبات لکھے۔ اخبار "نور" جاری ہوا۔ مسٹر الیگزنڈر رسل ویب (امریکہ) کی تحریک پر پہلی مرتبہ امریکہ و یورپ میں کوئی مبلغ بھجوانے کا سوال زیرِ غور آیا۔ انگریزی زبان میں قرآن مجید کے ترجمے کا کام ۶؍جون ۱۹۰۹ء کو مولوی محمد علی صاحب کے سپرد ہوا۔

۱۵؍نومبر ۱۹۰۹ء کو حضرت مسیح موعودؑ کے نافلہ موعود اور حضرت المصلح الموعودؓ کے لختِ جگر اور قدرتِ ثانیہ کے تیسرے مظہر سیدنا حضرت مرزا ناصر احمد خلیفۃ المسیح الثالث ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کی ولادت باسعادت ہوئی۔

سکھوں اور ہندوؤں میں تبلیغ کے لئے قادیان میں "سادھو سنگت" کے نام سے ایک انجمن قائم ہوئی جس نے گورمکھی میں ہزاروں پمفلٹس شائع کئے۔

(۱۰)

خلافت کے تیسرے سال ۱۹۱۵ء میں حضورؓ کے الہام "وَسِّعْ مَکَانَکَ" کے تحت متعدد پبلک عمارتیں تعمیر ہوئیں۔ محلہ دارالعلوم، مسجد نور، بورڈنگ ہاؤس تعلیم الاسلام ہائی سکول، توسیع مسجد اقصیٰ وغیرہ۔

دہلی سے ستمبر میں ایک احمدی نے اخبار "الحق" جاری کیا۔ ملک سے باہر پیغامِ احمدیت پہنچانے کے لئے سنگاپور اور سیلون میں تبلیغی وفد بھجوانے کی آپ نے تجویز فرمائی جس کی تکمیل خلافتِ ثانیہ میں ہوئی۔

اسی سال زلازل اور سیلابوں کی وجہ سے ساری دنیا قیامت بنی ہوئی تھی آپؓ نے انبیاءؑ کی طرح "الانذار" کے نام سے ایک اعلان شائع فرمایا۔ مخالفین کو تکبر، شوخی اور بدزبانی سے باز رہنے اور نیکی کی طرف قدم بڑھانے کی تلقین فرمائی۔

دسمبر ۱۹۰۹ء کا جلسہ مارچ ۱۹۱۰ء میں ہوا آپؓ نے رقت آمیز خطبہ ارشاد فرمایا۔ جلسہ میں تین ہزار سے زائد لوگوں نے شمولیت کی۔ کئی لوگوں نے اسی سال بیعت کی۔ اسی سال حضرت ابوبکرؓ کے زمانۂ خلافت کی طرح کئی لوگوں نے جھوٹے دعوے کئے۔ بعض نے توبہ کرکے معافی مانگ لی۔ یہ سب مدعی بالآخر ناکام و نامراد

ہوئے - اندرونِ ملک آپؓ نے کئی علماء کو مختلف اجلاسوں میں شمولیت کے لئے مبشر خود اور مونگیر بھجوایا ایک وفد بغرض تبلیغ یو پی بھجوایا۔ جولائی ۱۹۱۰ء میں حضرت سیدنا محمودؓ کو امیر مقامی مقرر فرما کر ملتان کا سفر اختیار فرمایا۔

اسی سال آپؓ کو گھوڑے سے گرنے کا حادثہ پیش آیا۔ جماعت نے عالی شان محبت و خلوص کا مظاہرہ کیا۔ بیماری کے دوران آپؓ نے سیدنا حضرت محمودؓ کو امام الصلوٰۃ مقرر فرمایا اور ایک بند لفافے میں سیدنا محمودؓ کے حق میں آئندہ خلافت کی وصیت فرمائی - خدا تعالیٰ نے آپؓ کو معجزانہ طور پر شفا بخشی۔ ۱۹۱۰ء کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۵-۲۶-۲۷ دسمبر میں آپؓ نے تین تقاریر فرمائیں۔

۱۹۱۱ء

خلافت کے چوتھے سال ۱۹۱۱ء میں سیدنا حضرت محمودؓ نے آپؓ کی اجازت سے تبلیغ کو تیز اور مؤثر بنانے کے لئے ایک انجمن "انصار اللہ" کے نام سے قائم کی آپؓ نے اظہارِ خوشنودی کے ساتھ فرمایا کہ:-

"میں بھی آپ کے انصار اللہ میں شامل ہوں۔"

اسی سال مارچ میں ایک احمدی ڈاکٹر کے استفتاء پر آپؓ نے احمدی اور غیر احمدی میں اصولی فرق کے متعلق تصریح فرمائی اور فرمایا کہ:

"مامور من اللہ کا انکار اللہ تعالیٰ کا انکار ہے۔"

نواب محسن الملک مرحوم کو اسلامی یونیورسٹی کے لئے آپؓ نے جماعت کی طرف سے ہزار روپے کا عطیہ بھجوایا اور جماعت کو تحریک میں شمولیت کی طرف توجہ دلائی۔

شیخ یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر "الحکم" اور شیخ محمد یوسف صاحب ایڈیٹر "نور" کو سنسکرت پڑھانے کے لئے پنڈت کا انتظام فرمایا اور اخراجات خود برداشت فرماتے۔ پنجاب اور بنگالہ و جنوبی ہند کے اجلاس میں اور مانگٹ اونچے (گوجرانوالہ) اور مونگھیر کے مباحثہ میں کئی علماء مرکز سے بھجوائے مباحثہ مانگٹ اونچے میں پچاس اور مونگھیر میں آٹھ لوگوں نے احمدیت قبول کی۔ اسی سال آپؓ نے اپنے بھیرہ کے مکان کو مسجد احمدیہ میں منتقل کرنے کے لئے وقف کیا جو مسجد نور احمدیہ کے نام سے مشہور ہے۔

اسی سال آپؓ نے نماز جمعہ کی ادائیگی کے لئے حکومت کو ایک میموریل بھیجا اور دوسرے مسلمانوں کو تحریک فرمائی۔

اسی سال آپؓ کی اجازت سے محترم چوہدری محمد ظفر اللہ خان صاحب تعلیم کے لئے انگلستان روانہ ہوئے جہاں انہوں نے تبلیغِ اسلام کا فریضہ بھی کمال خوبی سے ادا کرنے کی سعادت پائی۔

۲۷ دسمبر ۱۹۱۱ء میں جلسہ سالانہ پر آپؓ نے خلافت کے موضوع پر ڈیڑھ گھنٹہ تقریر فرمائی درس قرآن و حدیث آپؓ کا روزانہ کا معمول تھا۔

آپؓ کی خلافت کے زمانے کے اہم ترین کارنامے ہیں۔ جن میں سے ایک کارنامہ یہ ہے کہ آپؓ نے خلافت کے مقام کی عظمت کو قائم فرمایا

—— (۱۲) ——

خلافت کے پانچویں سال اپریل مئی ۱۹۱۲ء کو سیدنا حضرت محمود المصلح الموعودؓ آپؓ کی اجازت سے اپنے خرچ پر ایک وفد کی شکل میں مشہور اسلامی درسگاہوں کے طریقِ تعلیم و انتظام کا معائنہ کرنے کے لئے ایک لمبے سفر پر تشریف لے گئے۔ آپؓ وسط ۱۹۱۲ء میں لاہور تشریف لے گئے اور ڈاکٹر مرزا یعقوب بیگ صاحب کے مکان پر ٹھہرے اور شیخ رحمت اللہ صاحب کے مکان کا سنگِ بنیاد رکھا اور لاہور میں معرکہ آرا تقاریر فرمائیں۔

اس سال خواجہ کمال الدین صاحب آپؓ کی اجازت سے انگلستان روانہ ہوئے۔ آپ نے دعا کوشش اور تبلیغ کے علاوہ وفاتِ مسیحؑ کے متعلق آپ کو خاص توجہ دلائی۔ ۱۹ ستمبر ۱۹۱۱ء سے اخبار "البدر" میں "کلامِ امیر" کے نام سے ایک مستقل ضمیمہ شائع ہونا شروع ہوا جس میں آپ کا درسِ قرآن آپ کی ڈائری آپ کی سوانح۔ فرمودات اور خطوط وغیرہ درج ہونے لگے۔

ستمبر میں حضرت سیدنا محمودؓ آپؓ سے دعا کروانے کے بعد مصر اور عرب کی طرف تشریف لے گئے۔ بنگال میں خاص طور پر تبلیغ ہوئی۔ برہمن بڑیہ کے ایک بہت مشہور عالم حضرت مولوی سید عبدالواحد صاحب آپؓ کے دستِ مبارک پر بیعت کر کے احمدی ہوئے۔ ان کے ذریعے ۱۹۲۱ء تک ۱½ ہزار سے زائد احمدی ہوئے۔ ان کی درخواست پر آپ نے جیّد علماء کا ایک وفد بنگال تبلیغ کے لئے بھجوایا۔ دسمبر میں آپؓ نے "علم الرؤیا"، اللہ تعالیٰ کی ہستی و صفات و افعال، کلامِ پاک کی اشاعت اور حدیث کی اشاعت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفائے راشدینؓ پر اعتراضات کے جوابات لکھنے کی تحریک فرمائی۔

اللہ تعالیٰ نے آپؓ کو جماعت میں آئندہ اختلافات کی اطلاع دی۔ اسی سال انجمن مبلغین کا قیام عمل میں آیا۔ "خطباتِ نور" کی اشاعت

ہوئی۔ ڈاکٹر سر محمد اقبال نے عربی ادب کی اعلیٰ ترین کتب
کے بارے میں آپؓ سے رہنمائی چاہی۔ ....
....

جلسہ سالانہ ۱۹۱۲ء پر آپؓ نے ۵؍ دسمبر کو
بعد نماز ظہر "وحدت و اتحاد" کے بارے میں ایک تقریر
دلپذیر فرمائی۔ اسی سال آپؓ نے حضرت چودھری
فتح محمد سیال رضؓ کو یورپ کے سب سے پہلے مشنری
کے طور پر انگلستان بھجوایا۔ چوہدری صاحبؓ حضرت
مسیح موعودؑ کے زمانہ میں ہی زندگی وقف کر چکے تھے۔

۱۳

خلافت کے چھٹے سال ۱۹۱۱ء میں عربی ممالک
میں تبلیغ کے لئے مصالح العرب کے نام سے "بدر" کے
ساتھ ایک ہفتہ وار عربی ضمیمہ شائع ہوا۔ نوجوانوں
میں قرآنی علوم سیکھنے کا شوق پیدا کرنے کے لئے خدام
کو قرآن کے اسماء، افعال اور حروف کی فہرستیں تیار
کرنے کا ارشاد فرمایا۔ ایک اہم مکتوب کے ذریعے مسئلہ
خلافت پر روشنی ڈالی اور اپنی جیبی بیاض میں تحریر
فرمایا کہ:۔

"اگر دنیاوی بادشاہ، پریذیڈنٹ اور
صدر نہ ہو تو تباہی آجائے اسی طرح
روحانی بادشاہ نہ ہو تو تباہی لاتی ہے"

۵؍ جون ۱۹۱۳ء کو طبیعت کی علالت میں
آپؓ نے ایک اولوالعزم امام کے ظہور کے لئے دعا فرمائی
۱۸؍ جون ۱۹۱۳ء کو اخبار "الفضل" کا اجراء

محمودؓ نے اجراء فرمایا۔ یہ نام خود آپ نے ہی رکھا۔
اسی سال اخبار "پیغام صلح" کا لاہوری جماعت
نے اجراء کیا آپ نے اسے "پیغام جنگ" قرار دیا۔
وسط نومبر میں لاہور سے گمنام ٹریکٹوں کی
اشاعت ہوئی آپ رضؓ نے شدید ناراضگی کا اظہار فرمایا اس
کے بعد سیدنا محمود المصلح الموعودؓ کے نام ایک نہایت
دلآویز کھلا خط آیا۔ اخبار "البدر" عیسائیت کے
خلاف مضمون لکھنے کی "پاداش" میں بند ہوگیا۔
اسی سال دسمبر میں خلافتِ اولیٰ کا آخری
جلسہ سالانہ ہوا۔ آپؓ نے دو ایمان افروز تقاریر
فرمائیں جو "وحدت" اور سورۃ "مومنون" کی
ابتدائی آیات کی تفسیر کے متعلق ہے
۲۹؍ دسمبر کو ایک لطیف خطبہ جمعہ ارشاد فرمایا
جلسہ پر آئے ہوئے احمدیوں کو شرف ملاقات بخشا اور
اپنے کلماتِ طیبات سے نوازا۔ گمنام ٹریکٹوں کی اشاعت
کے باوجود بڑی کثرت سے احمدی شمع خلافت کے گرد
پروانوں کی طرح جمع رہے اور خلیفۂ وقت کی آواز پر
لبیک کہتے ہوئے انہوں نے قابلِ رشک مالی قربانیاں
پیش کیں۔ آپؓ نے "شکریہ" کے نام سے ایک مضمون
شائع کروایا۔

۱۴

خلافتِ اولیٰ کے آخری سال (جنوری) ۱۹۱۴ء
میں آپؓ کی اجازت سے سیدنا محمود المصلح الموعودؓ نے
ملک گیر تبلیغ کے لئے ایک سکیم پیش کی اور اس کو

عملی جامہ پہنانے کے لیئے ایک دعوت الی الخیر فنڈ بھی
کھولا۔ آپ رض کی خواہش تھی کہ قرآن مجید کا انگریزی
ترجمہ آپ رض کی زندگی میں ہی شائع ہو جائے۔ ان دنوں
میں خصوصیت کے ساتھ آپ کی خدمت میں مولوی
محمد علی صاحب حاضر ہو کر انگریزی ترجمہ کے نوٹس
بناتے جن کو سن کر آپ رض قرآنی علوم و معارف بیان
فرماتے اور ضمنی طور پر مولوی محمد علی صاحب کو بتاتے
کہ "یزید بہت بڑا آدمی تھا اس نے خاندانِ نبوت
کے ساتھ قطع رحمی کی۔ آپ ضرور اس کے متعلق نوٹوں
میں زور زور سے لکھیں"۔ آپ رض ایسا کہتے ہوئے
رو پڑتے۔ دراصل آپ رض کا ارشاد آئندہ ہونے والے
اختلافات کے متعلق تھا جس میں خاندانِ مسیح موعود
کی مخالفت کرنے والے گروہ کے لیڈر مولوی محمد علی
صاحب بننے والے تھے۔

اس سال بھی اندرونِ ملک تبلیغ اور مباحثات
کے لیئے آپ رض مختلف علماء کو مرکز سے روانہ کرتے
رہے۔ مسجد احمدیہ وزیر آباد کے افتتاح کے لیئے مرکز
سے علماء کرام بھجوائے گئے۔

وسط جنوری میں آپ رض بیمار ہو گئے۔ علالت
کے باوجود قرآن و حدیث کا درس جاری رکھا۔ اس
بیماری کے دوران آپ کو اللہ تعالیٰ نے اطلاع دی۔

"پانچ لاکھ عیسائی افریقہ میں
مسلمان ہوں گے۔"

فرمایا:۔

"مغربی افریقہ میں تعلیم یافتہ ہوں گے"

اپنی بیماری کے آخری ایام میں بھی بیماری کی
شدت میں قرآن مجید کے علمی نکات کو نہایت تیزی
سے بیان کرنے میں اپنی جان تک کی بازی لگا دی۔
بیماری کے دوران آپ رض نے امام الصلوٰۃ حضرت مرزا
بشیر الدین محمود احمد المصلح الموعود رض کو مقرر فرمایا۔

۴ر مارچ کو زیادہ طبیعت خراب ہوئی تو آپ رض
نے ایک وصیت لکھوائی اور مولوی محمد علی صاحب کو
تین بار پڑھ کر سنانے کا ارشاد فرمایا۔ جس کا اہم
حصہ یہ تھا:۔

"میرا جانشین متقی ہو۔ ہردلعزیز
عالم باعمل ہو۔ حضرت صاحب رض کے
پرانے اور نئے احباب سے سلوک
چشم پوشی و درگذر کو کام میں لاوے
میں سب کا خیر خواہ تھا وہ بھی سب کا
خیر خواہ رہے قرآن و حدیث کا درس
جاری رہے۔"

۱۳ر مارچ بعد دوپہر دو بج کر بیس منٹ پر آپ رض
عین نماز کی حالت میں اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔ حضور رض
کا پیغام جو آپ رض نے اپنے بچوں کو دیا وہ بھی قرآن مجید
پڑھنے پڑھانے کے بارے میں تھا نیز فرمایا: "میرے
مرنے کے بعد میاں صاحب سے کہہ دینا کہ وہ عورتوں میں بھی
درس دیا کریں۔"

آپ رض کی وفات کے بعد سیدنا حضرت میاں بشیر الدین
محمود احمد صاحب رض کو خلیفۃ المسیح الثانی منتخب کیا گیا۔
منکرین خلافت علیحدہ ہو گئے اور باقی جماعت نے خلیفہ ثانی رض کی بیعت کی اور خلیفہ ثانی رض نے آپ رض کا جنازہ پڑھایا۔ ●●

موازنۂ مذاہب

خالد کے اس شمارہ سے "موازنۂ مذاہب" کے مستقل عنوان کے تحت مختلف مذاہب کے تعارف کا سلسلہ شروع کیا جا رہا ہے جس میں ان مذاہب کی تعلیم اور عقائد پیش کر کے اسلام کی مکمل و جامع تعلیم سے ان کا موازنہ کیا جائے گا۔ اس سلسلہ میں "سکھ مذہب" سے متعلق جناب عباد اللہ گیانی کے مضمون کی پہلی قسط ہدیۂ قارئین کی جا رہی ہے:

ــــــــ (مدیر)

سکھ مذہب

جناب عباد اللہ گیانی، ربوہ

سکھ دنیا سکھ مذہب کا بانی گورو نانک جی کو تسلیم کرتی ہے۔ گورو جی ۱۵۲۶ بکرمی مطابق ۱۴۶۹ء میں پنجاب کے متوسط ہندو گھرانہ میں پیدا ہوئے تھے آپ کی تاریخ پیدائش اور جائے پیدائش کے بارہ میں سکھ دوانوں (مفکروں) میں شدید اختلافات ہیں۔ ایک گروہ کے نزدیک گورو جی کاتک شدی پورن ماشی کو ننکانہ صاحب میں پیدا ہوئے تھے۔ ان دنوں ننکانہ صاحب کو رائے بھوئے کی تلونڈی کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ دوسرے گروہ کے خیال کے مطابق گورو جی کی پیدائش بیساکھی کے دن ہوئی تھی۔ اور آپ اپنے ننھیال چاہلاں والا ضلع لاہور میں پیدا ہوئے تھے اسی وجہ سے آپ کا نام نانک رکھا گیا تھا۔ جس کے معنے ہی نانکے پیدا ہونے والا بچہ سمجھے ہیں۔ اسی طرح بعض دوانوں کے نزدیک گورو جی سمت ۱۵۲۵ بکرمی مطابق ۱۴۶۹ء میں پیدا ہوئے تھے۔ چنانچہ ڈاکٹر پیار سنگھ جی نے لکھا ہے:-

"کاتک شدی پورن ماشی کو پیدائش اور ننکانہ صاحب میں پیدا ہونا اصل میں بابا سری چند (گورو نانک جی کے لڑکے) کی زندگی کے واقعات تھے لیکن کسی غلطی کی وجہ سے گورو نانک دیو جی کے نام کے

ساتھ چھوڑ گئے ....

پس، گورو نانک جی کی پیدائش "دو سمت زمانہ ۱۵۲۶ بکرمی (۱۴۶۹ء) وبہ کہ نندی تیج جنم ساکھیاں [illegible] اور [illegible] کی تاریخ ۱۵۹۶ بکرمی (۱۵۳۹ء) اسوج [illegible] تمام آپ نے ۷۰ سال ۸ مہینے اور سات دن گزارے۔ ان تاریخوں میں سے کسی میں بھی اب کسی شک کی گنجائش معلوم نہیں ہوتی۔"

(آدی ساکھیاں صفحہ ۱ دیباچہ)

یاد رہے کہ یہ کتاب آدی ساکھیاں مشرقی پنجاب کی تینوں یونیورسٹیوں۔ پنجاب یونیورسٹی چنڈی گڑھ، پنجابی یونیورسٹی پٹیالہ اور گورو نانک یونیورسٹی امرتسر میں ایم اے (پنجابی) کے نصاب میں پڑھائی جاتی ہے۔

گورو نانک جی کے متعلق جماعت احمدیہ کا نظریہ یہ ہے کہ آپ سچے مسلمان تھے اور اسلام کے شیدائی اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے فدائی تھے۔ ڈاکٹر ترلوچن سنگھ جی نے آپ کے متعلق بیان کیا ہے:۔

(۱) "گورو نانک دیو جی نے مسلماناں دے اک خدا دے وشواش نوں تسلیم کیتا۔"

(جیون چرتر گورو نانک دیو صفحہ ۳۰۷)

(۲) "(حضرت) محمد صاحب (صلی اللہ علیہ وسلم) گورو نانک دیو دے اک سریشٹ (خاص) پیغمبر منندے ہے"

(جیون چرتر گورو نانک دیو صفحہ ۳۰۵)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے گورو نانک جی کے متعلق فرمایا ہے:۔

"ہماری رائے باوا صاحب کی نسبت یہ ہے بلاشبہ وہ سچے مسلمان تھے۔ یقیناً دنیا سے بیزار ہو کر اور کلمہ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ سے مشرف ہو کر ایک نئی زندگی پا چکے

تھے۔ جو بغیر خدائے تعالیٰ اور رسول
پاکؐ کی پیروی کے کسی کو نہیں ملتی"۔
(ست بچن۔ صہ ۳۱)

توحید باری تعالیٰ اور رسالت محمدیہؐ پر ایمان
ہی اسلام کا بنیادی عقیدہ ہے اور اسلام کا دروازہ
ہے۔ ڈاکٹر ترلوچن سنگھ جی کے بقول گورو جی ان دونوں
باتوں کو مانتے تھے۔ الغرض گورو نانک جی اگر کسی نئے
مذہب کے بانی تھے تو وہ مسلمان نہیں ہو سکتے۔ اور
اگر وہ مسلمان تھے تو وہ کسی نئے مذہب کو جاری نہیں
کر سکتے۔ جہاں تک ہماری تحقیق کا تعلق ہے گورو جی
نے کوئی نیا مذہب جاری نہیں کیا۔ وہ ہندو گھرانہ میں
پیدا ضرور ہوئے تھے۔ مگر اپنا آبائی مذہب ترک
کر کے اسلام سے مشرف ہو چکے تھے۔ ڈاکٹر ترلوچن سنگھ
جی کے نزدیک گورو نانک جی نے اپنے عربی کلام میں
اپنے اسلام کا اقرار یوں کیا ہے:-

"وَطُغَاۃُ ہِنْدُسْتَانَ یَدْعُوْنَنِیْ لَھُمْ
شُکْرًا اِلٰہَ الْعَرْشِ اِنِّیْ مُؤْمِنًا"

(جیون چرتر گورو نانک دیو صہ ۳۰۴، صہ ۳۰۵ کے
درمیانی پلیٹ ۸۱)

یعنی ہندوستان کے سرکش لوگ مجھے
اپنے مذہب کی طرف بلا رہے ہیں۔ خدا
تعالیٰ کا شکر ہے کہ میں مومن ہوں
(ان کے مذہب کی طرف مائل نہیں ہوں)

سکھ ودوانوں کو بھی مسلّم ہے کہ گورو نانک جی
اپنا آبائی مذہب ترک کر چکے تھے۔ گورو جی کا کسی نئے
مذہب کا بانی ہونے سے بھی سکھ ودوانوں کو انکار ہے
چنانچہ سردار کرپال سنگھ نارنگ نے اس سلسلہ میں بیان
کیا ہے:-

"گورو نانک جی کی تعلیم کو عمیق نظر
سے پڑھنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ
آپ کا مقصد کوئی نیا مذہب جاری
کرنا نہ تھا"۔

(رسالہ سنت سپاہی امرتسر۔ نومبر ۱۹۶۲ء)

ایک اور سکھ ودوان رقم طراز ہیں:-

"گورو نانک جی نے کوئی نیا مذہب
جاری نہیں کیا۔ یہ کہنا کہ انہوں نے
نیا دھرم جاری کیا۔ ان سے بے انصافی ہے"

(سپت روزہ فتح دہلی گورو نانک نمبر ۱۹۶۷ء)

سکھ کتب میں گورو گوبند سنگھ جی کا یہ ارشاد
موجود ہے:-

"گورو نانک جی سے لے کر نو گورو صاحبان
نے کوئی اور مذہب یا مریادہ نہیں
چلائی۔ صرف ہمیں ہندو مذہب سے
نفرت پیدا ہوئی تو تیسرا پنتھ سکھوں
کا جاری کیا ہے"۔

(بچتر نکت۔ صہ ۲۰۳)

سکھ ودوانوں کو مسلم ہے کہ تیسرا پنتھ گورو
گوبند سنگھ جی نے گورو نانک جی کی وفات سے ایک سو
ساٹھ سال بعد ۱۷۵۶ بکرمی (۱۶۹۹ء) میں جاری
کیا تھا۔ ان سے قبل ہندوستان میں دو بڑے مذاہب

ویدک دھرم اور اسلام ہی تھے۔ جن کے ماننے والے ہندو اور مسلمان تھے۔ گورو نانک جی کا ہندو مذہب ترک کر دینے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ بلکہ گورو نانک جی نے تو خود ہندوؤں کے کردار کو مدِّ نظر رکھ یہاں تک کہہ دیا ہے :-

"ایسے عمل ہندو کے نکمے مت کو ہندو نام کہاوے"

(جنم ساکھی بھائی بالا۔ صفحہ ۲۱۵)

گورو جی نے ہندوؤں کی دینی حالت کا نقشہ اپنے ایک شبد میں یوں کھینچا ہے :-

"ہندو مولے بھولے اکھوٹی جاہیں
نارد کہیا سے پوج کراہیں
اندھے گونگے اند اندھار
پاتھر لے پوجیں مگدھ گنوار
او ئے جے آپ ڈوبے تم کہاں ترن ہار"

(گورو گرنتھ صاحب صفحہ ۵۵۶)

یعنی ہندوؤں نے شروع سے ہی خدا تعالیٰ کو بھلا دیا ہے اور وہ گمراہ ہو گئے ہیں۔ وہ اندھے اور گونگے ہیں اور نارد (شیطان) (جنم ساکھی بھائی بالا) کے کہنے پر بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ جو بت خود ڈوب جاتے ہیں وہ دوسروں کو کنارے نہیں لگا سکتے۔

سکھ دنیا گورو نانک جی کے بعد عام طور پر اپنے ۹ گورو تسلیم کرتی ہے جن کے نام نامی اور اسم گرامی یہ ہیں :-

(۱) گورو انگد جی (۲) گورو امر داس جی
(۳) گورو رام داس جی (۴) گورو ارجن جی۔
(۵) گورو ہرگوبند (۶) گورو ہر رائے جی
(۷) گورو ہرکرشن جی (۸) گورو تیغ بہادر جی
(۹) گورو گوبند سنگھ جی۔

عام سکھ گورو گوبند سنگھ جی کے بعد گورو گرنتھ صاحب کو اپنا گورو تسلیم کرتے ہیں اور گورو گوبند سنگھ جی کو وہ "آخری پیغمبر" (گورمت سدھاکر صفحہ ۴۲ حاشیہ) "آخری نبی" (شبد مورت صفحہ ۹، اتہاسک پتر سیلیپی ۵ ۵ پور نانک) "خاتم الانبیاء" (ہفت روزہ فتح دہلی سالانہ نمبر ۱۹۶۵ء) "پیغمبر آخر الزمان" (شیر پنجاب دہلی ۱۹ فروری ۱۹۷۵ء) اور "خاتم المرسلین" (نانک شاہی جنتری صفحہ ۲۳) تک قرار دیتے ہیں۔ مگر کسی بھی سکھ ودوان نے اس بات پر روشنی نہیں ڈالی کہ یہ القاب سکھ گورو صاحبان کو کس نے دیئے۔ نبوّت اور رسالت کا سلسلہ تو اللہ تعالیٰ نے شروع کیا ہے۔ وہی جسے چاہے "خاتم النبیّین" قرار دے سکتا ہے۔ جہاں تک سکھ کتب کا تعلق ہے اس سے یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ کسی بھی سکھ گورو نے اپنے لئے خاتم النبیین، خاتم المرسلین۔ یا آخری نبی وغیرہ الفاظ استعمال کئے ہوں۔ بلکہ سکھ ودوانوں کو تو یہ بھی مسلّم ہے کہ کسی بھی گورو نے نبی رسول یا گورو ہونے کا بھی کوئی دعویٰ نہیں کیا۔ (ملاحظہ ہو گورمت درشن صفحہ ۳۵۔ رسالہ ہفت سپاہی امرتسر اپریل ۱۹۶۲ء و دسمبر ۱۹۵۹ء اور سچا گورو صفحہ ۹۹۔

ہفت روزہ قومی ایکتا دہلی گورو نانک نمبر ۱۹۶۹ء رسالہ پریت لڑی نومبر ۱۹۴۵ء گوروید نستے ص ۷۵ رسالہ پریتم دہلی دسمبر ۱۹۴۰ء۔ گورو گرنتھ تے پنتھ۔ ص ۱ ۔ جگت جلندار گھرے ص ۱۳ سچوں دے سب کو ص ۲۱ اور زمانہ "اجیت" جالندھر ۲۵ نومبر ۱۹۶۷ء)

سکھ ودوانوں کو مسلّم ہے کہ کسی کو گورو مقرر کرنا خدا تعالیٰ کا کام ہے نہ کہ انسانوں کا۔ (ملاحظہ ہو جگت جلندار کے لے ص ۳۳ ، رسالہ سنت سپاہی امرتسر جولائی ۱۹۶۳ء)

پس اس صورت میں سکھ دنیا کا سکھ گورو صاحبان کو نبی۔ رسول یا پیغمبر آخر الزمان کہنا بہت بڑی زیادتی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ سکھ گورو صاحبان کا ایسا کوئی دعویٰ ثابت نہیں کیا جا سکتا۔

یہاں یہ بیان کر دینا بھی نامناسب نہ ہوگا کہ سکھوں کے "نامدھاری" اور "نرنکاری" فرقہ سے تعلق رکھنے والے لوگ۔ گورو گوبند سنگھ جی کے بعد بھی گوروؤں کا سلسلہ جاری تسلیم کرتے ہیں۔ اُن کے نزدیک انسانوں کے لیے انسان ہی گورو اور رہنما ہو سکتے ہیں۔ نہ کوئی اور چیز۔ چنانچہ ان فرقوں کے گوروؤں کا سلسلہ بھی الگ دوسرے سے مختلف ہیں۔ نامدھاری فرقہ کے لوگ گورو گوبند سنگھ جی کے بعد بابا رام سنگھ جی کو۔ بابا ہری سنگھ جی۔ بابا پرتاپ سنگھ جی کو اور بابا جگجیت سنگھ جی کو بالترتیب گورو تسلیم کرتے ہیں۔ اس وقت ان کے گورو بابا جگجیت سنگھ جی ہیں۔ نرنکاریوں کے گوروؤں کا سلسلہ اس سے الگ ہے۔

پراچین سکھ گرنتھوں میں تو سکھ کی تعریف مقرر نہیں۔ اب کچھ عرصہ ہوا شرومنی گورودوارہ پربندھک کمیٹی نے بیسویں صدی میں ودوانوں کی ایک کمیٹی بنا کر سکھ کی تعریف مقرر کی ہے۔ جو درج ذیل ہے:۔

سکھ کی تعریف

"جو عورت یا مرد خدائے واحد دس گورو صاحبان (سری گورو نانک دیو جی سے لے کر سری گورو گوبند سنگھ صاحب تک) سری گورو گرنتھ صاحب اور دس گورو صاحبان کی بانی اور تعلیم اور دسم گورو کے امرت پر یقین رکھتا ہے۔ اور کسی دوسرے مذہب کو نہیں مانتا وہ سکھ ہے۔"

(سکھ رہت مریادہ ص ۸)

ظاہر ہے کہ یہ تعریف گورو نانک جی سے کوئی تعلق نہیں رکھتی۔ کیونکہ ان کے زمانہ میں نہ تو نہ گورو صاحبان (گورو انگد جی سے لے کر گورو گوبند سنگھ جی تک) ظاہر ہوئے تھے اور نہ گورو گرنتھ صاحب کا ہی وجود تھا۔ نیز اس زمانہ میں لوگ گورو گوبند سنگھ جی کے کھنڈے کے امرت سے بھی ناآشنا تھے کیونکہ ان دنوں یہ چیزیں ابھی ظہور میں نہیں آئی تھیں۔

ایک سکھ ودوان سردار سنتوکھ سنگھ جی نے

شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی کی مقرر کردہ سکھ کی مندرجہ بالا تعریف پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"سکھ کی یہ تعریف گوربانی اور بھائی گورداس جی کے کلام کے مطابق نہیں ہے"

(سچو سچ صـ ۳۹ ۔ حاشیہ)

یعنی:۔

"کمیٹی کی یہ مریادہ نہ مذہبی خیال سے درست ہے اور نہ سیاسی دنیا میں عقلمندی کہلا سکتی ہے۔ اپنے مذہب پر یقین کرنا اور دوسرے مذاہب کو غیر مذہب کہہ کر اُن پر یقین نہ کرنا ان دونوں میں فرق ہے قدیمی وبہت ناموں میں وید شاستر گیتا، قرآن شریف، انجیل کے بارہ میں کوئی ذکر نہیں۔ یہ کمیٹی کی اپنی ایجاد ہے۔"

(گورسکھ میت چلھو گورچالی صـ ۱۳)

ایک اور مقام پر مرقوم ہے:۔

"جہاں شرومنی کمیٹی نے وید شاستر گیتا، انجیل اور قرآن شریف پر عقیدہ نہ رکھنے کی مریادہ گھڑنے کی غلطی کی ہے وہاں ان دیگر کتب کی جنہیں کمیٹی گورمت کے مطابق سمجھتی ہے۔ کتھا وغیرہ کرنے کی اجازت دے کر ایک نئی اور بُری رسم قائم کی ہے۔"

(گورسکھ میت چلھو گورچالی صـ ۱۳۹)

الغرض شرومنی گوردوارہ پربندھک کمیٹی نے سکھ کی جو تعریف اب وضع کی ہے وہ سکھ ودوانوں کے بقول ستی گورو گرنتھ صاحب کے مطابق نہیں ہے اس خود ساختہ اور غلط تعریف کو سکھ کی تعریف قرار نہیں دیا جا سکتا۔ گورو نانک جی سے لے کر گورو گوبند سنگھ جی تک گزرے ہوئے دس گورو صاحبان میں سے کسی ایک نے بھی سکھ کی اس قسم کی کوئی تعریف مقرر نہیں کی۔ ع

"کوئی دکھلائے اگر حق کو چھپایا ہم نے"

(باقی آئندہ)

دلچسپ معلومات

سیرالیون

جناب محمد الیاس منیر۔ جامعہ احمدیہ ربوہ

براعظم افریقہ کے مغرب میں خطِ استوا سے دس درجے شمال کی طرف سمندر کے مغربی کنارے پر ملک سیرالیون واقع ہے۔

سیرالیون کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ ۱۴۶۲ء میں پرتگال کا ایک سیاح پیڈرو دا سینٹرل نامی بحری راستے سے یہاں آیا۔ ابھی وہ ساحل پر نہیں پہنچا تھا کہ سمندر میں دور سے اُسے یہاں کی بلند و بالا پہاڑیاں نظر آئیں۔ جو بالکل شیر کی مانند سر نکالے کھڑی تھیں۔ چنانچہ اس نے اسی بنا پر اسے "سیرالیون" کہا۔ کیونکہ پرتگالی زبان میں سیرا (Sierra) پہاڑ کو اور لیون (Leone) شیر کو کہتے ہیں۔

سیرالیون کو مغرب اور جنوب کی طرف سے بحر اوقیانوس نے گھیر رکھا ہے۔ شمال مغرب اور شمال مشرق میں گنی اور جنوب مشرق میں لائبیریا واقع ہے۔ سیرالیون سالہا سال انگریزوں کے زیر تسلط رہا۔ اس طویل غلامی سے تنگ آکر عوام نے ڈاکٹر سر ملٹن مارگائی کی قیادت میں تحریک آزادی شروع کی۔

جس کا نتیجہ ۲۶ اپریل ۱۹۶۱ء کو آزاد سیرالیون کی صورت میں منصۂ شہود پر آیا۔ سیرالیون کا دارالحکومت "فری ٹاؤن" ہے۔ اس کے پہلے وزیراعظم، تحریک آزادی کے راہنما ہی بنے۔ ۱۹۶۸ء میں انتخابات ہوئے تو ڈاکٹر سیاکا سٹیونس وزیراعظم منتخب ہوئے جنہوں نے ۲۱ اپریل ۱۹۷۱ء کو سیرالیون میں جمہوری نظام رائج کیا اور خود پہلے صدر ہوئے۔ تا حال وہی اس منصب پر فائز ہیں۔

سیرالیون کا کل رقبہ ۲۷۹۲۳ مربع میل ہے جس میں سے ۲۳۳۷ مربع میل علاقہ میں دلدل ہے۔ یہ ملک چار حصوں میں منقسم ہے:۔

(۱) جنوبی صوبہ: اس کا صدر مقام "بو" ہے
(۲) مشرقی صوبہ: اس کا دارالحکومت کینیما ہے
(۳) شمالی صوبہ: یہ سب سے بڑا صوبہ ہے اور اس کے دارالحکومت کا نام "میکینی" ہے
(۴) مغربی صوبہ: اس میں ملک کا دارالحکومت "فری ٹاؤن" ہے۔

یوں تو سارا ملک ہی پہاڑوں اور جنگلوں پر مشتمل
ہے لیکن سب سے بڑے صوبہ "شمالی" میں گھاس کے وسیع
میدان اور پہاڑوں کی کثرت ہے۔ شمالی مشرقی گنی اور
سیرالیون کے بارڈر میں بنجر میدان پائے جاتے ہیں شمالی
اور مشرقی صوبہ میں سارے کے سب پہاڑ سخت چٹان
والے ہیں۔ یہاں جنگلات میں بندر۔ چیتے۔ گینڈے،
شیر ہاتھی اور دوسرے جنگلی جانور بکثرت ملتے ہیں اور
جنوب میں بندر اور شیر کثرت سے پائے جاتے ہیں۔
ملک کا بلند ترین پہاڑ "لوما مانسا" (LOMA MANSA.)
اسی شمالی صوبہ میں ہے جس کی بلندی ۶۳۹۰ فٹ ہے
سیرالیون کے مغرب میں صرف آٹھ جزائر ہیں
جنوبی صوبہ میں ۱۵ چھوٹے بڑے جزائر ہیں اور اس ملک
کا دارالحکومت "فری ٹاؤن" بھی جزیرہ نما علاقہ میں
واقع ہے اور ہوائی اڈہ سے یہاں تک پہنچنے کے لئے
سمندر پار کرنا پڑتا ہے جس کے لئے کشتیوں
کا عمدہ انتظام موجود ہے۔ اس ملک میں آمد و رفت
کا بہترین نظام ٹرانسپورٹ ہے مگر ریلوے کا انتظام
بالکل نہیں ہے (پہاڑوں اور جنگلوں کی کثرت کے باعث
ہوائی [illegible] کے ذریعہ آمدورفت کا انتظام بھی نہیں) کچھ تھوڑی
بہت ریلوے لائنیں تھیں لیکن اب بالکل ختم کر دی
گئی ہیں اور سڑکوں کا نظام سارے ملک میں بہتر بنایا
جا رہا ہے۔ یہاں دریا بہت کم ہیں اور زیادہ تر تو
بڑے بڑے ندی نالے ہی ہیں اور ان میں سے "ربی"
(RIBI.) اور "روکل" (ROKEL) کو بڑا
ہونے کی وجہ سے دریا سمجھا جاتا ہے۔ (SEWA.)
بہت بڑا دریا ہے۔

سیرالیون کی آب و ہوا مجموعی طور پر گرم مرطوب
ہے اور موسمی طور پر لطف کی بات یہ کہ جب جون کے
مہینے میں ہمارے یہاں جاندار گرمی سے تڑپ رہے
ہوتے ہیں تو اس وقت یہاں برسات کے مزے اڑائے
جا رہے ہوتے ہیں۔ یہاں زیادہ سے زیادہ بارش
"ہل سٹیشن" نامی مقام پر "۵۲" انچ تک ماہ
جولائی میں ہوتی ہے۔ زیادہ سے زیادہ گرمی میں
پورے ملک کا درجہ حرارت ۹۷ درجہ فارن ہائیٹ
تک ہوتا ہے۔ سب سے زیادہ دھوپ ماہ فروری
میں فری ٹاؤن میں پڑتی ہے جہاں سورج مسلسل
ساڑھے تین گھنٹے تک اپنے جوبن پر رہتا ہے

سیرالیون تنزانیہ کے بعد دنیا بھر میں سب
سے زیادہ ہیروں جیسی گراں بہا نعمت کا مالک
ہونے کی وجہ سے مشہور ہے اس کے علاوہ اعلیٰ
قسم کی معدنیات کا گھر بھی سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جنوبی
اور مشرقی صوبہ میں بے شمار مقامات پر ہیروں کے
وسیع ذخائر ہیں اور دریاؤں کی ریت سے سونا بھی
ملتا ہے۔ اس کے علاوہ سونے کے ذخائر شمالی اور
جنوبی صوبہ میں بھی ہیں۔ ان قیمتی دھاتوں کے علاوہ
لوہا۔ باکسائیٹ۔ کیسیٹیرائیٹ، پلاٹینیم،
کولمبائیٹ، ٹینٹیلائیٹ، کرومائیٹ اور زنک
کی کانیں بھی بکثرت ہیں۔ حکومت ہیرے۔ لوہا۔
سونا، کرومائیٹ اور باکسائیٹ وافر مقدار میں
برآمد بھی کرتی ہے۔

سیرالیون کے ۶۰۔ ۶۵ فیصد باشندے کاشتکار ہیں جن کی محنت کے نتیجہ میں سال بھر میں پام آئل (PALM OIL) کرنلز، پیسیاوا (چاول کی طرح کا ایک غلہ) سنگترہ، مونگ پھلی، کوکوآ، کولا، کافی، چاول۔ مرچ اور ادرک پیدا ہوتے ہیں اور کوکوآ، کافی کولا، پام آئل، کرنلز اور پیسیاوا تو برآمد بھی کیا جاتا ہے نیز کیلا کی قسم کا ایک خاص لمبا پھل بھی پیدا ہوتا ہے جس کا سرخ گودا تار کے تیل اور جیسی بھوئی مونگ بھی میں بھون کر کھایا جاتا ہے۔

سیرالیون کے باشندے افریقہ کے باقی لوگوں کی طرح پندرہ مختلف قبائل میں منقسم ہیں جو ملک کے طول و عرض میں اپنی اپنی تہذیب و تمدن کے مطابق زندگی بسر کر رہے ہیں۔ چنانچہ وہاں اٹھارہ قبائل ہیں جن میں سر فہرست مینڈے (MANDA) ٹمنی (TIMNI) اور لمبا (LIMBA) ہیں اور ساحلی علاقہ پر کریئول آباد ہیں جو امریکہ میں غلام بنائے جانے کے بعد یہاں آباد ہو گئے۔ انھیں غیر دیسی (NO NATIVE) کہتے ہیں۔ اگرچہ ہر قبیلہ کی اپنی زبان ہے تاہم ریڈیو پر انگریزی کے علاوہ "مینڈے" ٹمنی اور لمبا بھی استعمال ہوتی ہیں اور انگریزی زبان کو سرکاری حیثیت حاصل ہے۔

صدیوں غلامی میں رہنے کے باوجود لوگوں میں ترقی کرنے کا بے پناہ جذبہ موجود ہے۔ تعلیم کے بے حد شوقین ہیں۔ اپنی قوم کی ترقی کے لئے کوشش کرتے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے بھی انہیں ذہنی اور معدنیاتی دولتوں سے مالا مال کر رکھا ہے۔ لیکن بعض دیگر وسائل کی کمزوری ان کی خاطر خواہ ترقی میں حائل ہے تاہم چھوٹی چھوٹی صنعتیں مثلاً بنیان بنانا۔ ٹافیاں، بسکٹ، سگریٹ، شراب وغیرہ تیار کرنا قائم ہو چکی ہیں۔ یہاں چھوٹے چھوٹے شہروں اور دیہات میں رفاہی امور سر انجام دینے کے لئے چیف مقرر ہوتے ہیں یعنی یہاں کے نمبردار سے کچھ زیادہ اختیارات کے حامل اور چند ایک چیفز پر ایک پیراماؤنٹ چیف ہوتا ہے۔ اس وقت سیرالیون میں کل ۱۴۹ پیراماؤنٹ چیف ہیں اور ان میں سے تقریباً ۱۲۔ احمدی ہیں اور انہی میں سے ایک پیراماؤنٹ چیف گما لنگا صاحب جلسہ سالانہ ۱۹۷۷ء پر تشریف بھی لائے تھے۔

یہاں عام رواج ہے کہ جب کوئی شخص چیف (شہر یا گاؤں کا نمبردار) کے عہدہ پر فائز ہو جائے تو وہ تا مرگ اس عہدہ پر فائز رہتا ہے۔ لیکن اب آہستہ آہستہ اس خیال میں تبدیلی ہو رہی ہے اور سرکاری عہدیدار ایک خاص مدت کے لئے عہدوں پر فائز ہوتے ہیں۔ یہاں ناچ و گانا عام ہے اور ہر قبیلہ کی ہر قسم کی تقریب میں ناچ ضرور ہوتا ہے حتیٰ کہ مسلمانوں میں رمضان المبارک میں "لیلۃ القدر کا والفس" اور "آخری شب رمضان کا ناچ" بہت مشہور ہے۔ یہاں لوگ ایک سے زائد شادیاں کرتے ہیں اور عورتوں کے ذمہ کھیتی باڑی اور بچوں کی تربیت کے جملہ فرائض ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بچہ کے عقیقہ کی

تقریب کے موقعہ پر شادی بیاہ سے بھی زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور قسما قسم کے ناچ کے بغیر تو یہ تقریب ادھوری سمجھی جاتی ہے۔ سیرالیون کے عام باشندے شام کے وقت باقاعدہ طور پر کھانا تناول کرتے ہیں جو چاولوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

ان لوگوں کو دین سے لگاؤ بھی ہے اور اسی وجہ سے قرآنی تعلیم کے مدرسے ہر چھوٹے شہر اور گاؤں میں ہیں جہاں باقاعدہ عمارت میسر نہ ہو تو وہاں کسی درخت کے سائے سے کام لیا جاتا ہے اور اگر بچوں اور بڑوں کو دن کے وقت فراغت نہ ہو تو رات کے وقت ہر شخص ایک خاص قسم کی لکڑی لے آتا ہے اور اسے جلا کر اس کی روشنی میں پڑھتا ہے۔ رمضان شریف میں نماز باقاعدہ پڑھتے ہیں۔ اگر مسجد تنگ ہو جائے تو لوگ سڑکوں پر نماز پڑھتے دکھائی دیتے ہیں۔ عربی زبان قرآن کی زبان ہونے کی وجہ سے اتنی محبوب ہے کہ اگر کسی کو اس زبان کے چند جملے ہی آتے ہوں تو اسے ایک بڑا عالم سمجھتے ہوئے اس کی بے حد عزت و تکریم کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی اکثریت فرقہ مالکیہ سے تعلق رکھتی ہے۔ سید شیخ احمد التیجانی کے بھی کافی پیروکار ہیں۔

یہاں تبلیغی جلسوں کے لئے خاص طور پر بہت سہولت ہے۔ چونکہ "کورٹ باری" (ہر شہر یا گاؤں میں ایک ہال) میں بڑی آسانی سے منعقد ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ مذہبی آزادی کا یہ حال ہے کہ بسا اوقات ایک ہی گھر میں مسلمان، عیسائی اور مشرک وغیرہ بس رہے ہوتے ہیں لیکن نہ باپ بیٹے کی مذہبی آزادی میں مخل ہوتا ہے نہ بیٹا باپ کی۔

سیرالیون کی آبادی ۲۰ لاکھ کے لگ بھگ ہے جس میں مسلمانوں کی کثرت ہے۔ گزشتہ دو صدیوں تک انگریزوں کی حکومت کے دوران عیسائی پادریوں نے بڑے زور و شور سے لوگوں کو عیسائی بنایا مشن سکول اور ہسپتال کھولے جس سے پڑھے لکھے عیسائی کثرت سے ہو گئے۔ گو مسلمان تعداد میں زیادہ تھے لیکن عیسائی حکومت پر چھا گئے اور مسلمان تعلیم یافتہ نہ ہونے کی وجہ سے ہر میدان میں پیچھے رہ گئے۔

یہ ملک باوجود قدرتی خزائن کا مالک ہونے کے ظاہری اور روحانی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ خداتعالیٰ نے اسے اس ظلمت سے نکال کر آسمانی انوار سے روشن اور مالا مال کرنے کی غرض سے ۱۹۳۷ء میں حضرت مسیح موعودؑ کے ایک غلام اور اسلام کے بہادر اور زندہ جاوید سپاہی محترم مولوی نذیر احمد علی مرحومؓ کے ذریعہ حقیقی اسلام کا پیغام پہنچایا۔ اور اس طرح جماعت احمدیہ کا باقاعدہ قیام یہاں عمل میں آیا اور یہی جماعت آہستہ آہستہ مختلف نازک ادوار سے گزرتی ہوئی اب ملک میں خاص اہمیت کی حامل بن گئی ہے۔ اور خدا کے فضل سے اس ملک میں بڑی کثرت سے لوگ احمدیت قبول کر چکے ہیں اور انشاء اللہ قبول کرتے چلے جائیں گے۔

اس وقت سیرالیون میں ۸ احمدیہ مشن ہاؤس اور ایک سو سے زائد احمدیہ مساجد بن چکی ہیں۔

الغرض جماعت احمدیہ دنیا کے ہر خطہ میں اشاعت اسلام کی جو جدوجہد کر رہی ہے وہ اس خطہ ارض میں بھی جاری ہے اور جاری رہے گی یہاں تک کہ تمام دنیا حلقہ بگوش اسلام ہو جائے گی اور "واشرقت الارض بنور ربھا" کی گہوارہ بن جائے گی۔

قسط ۱۰

سفرنامہ امریکہ

کینیڈا کی سیر

جناب حسن محمد خان عارف ربوہ

کینیڈا میں فرانسیسیوں کا دور ختم ہوا تو انگریز غالب آچکے تھے۔ ایک معاہدہ کی رو سے صرف صوبہ کیوبک میں فرانسیسی زبان اور روایات کے بارہ میں فیصلہ ہوا تھا کہ یہ زندہ رہیں گی۔

۱۷۷۵ء میں امریکہ کی جنگ آزادی شروع ہو گئی۔ امریکن چاہتے تھے کہ یہ فرانسیسی کینیڈین انگریز امریکیوں کی حمایت کریں لیکن ان فرانسیسی نژاد لوگوں کو تو انگریز امریکیوں سے خدا واسطے کا بیر تھا اس لئے اس جنگِ آزادی میں یہ لوگ محض تماشائی ہی رہے اور امریکیوں کی مدد نہ کی۔ اس جنگ کا ایک نتیجہ یہ ہوا کہ ہزاروں انگریز امریکن کینیڈا کی طرف ہجرت کر گئے اور نیو برنزوک کا صوبہ آباد کیا اور یہ بات لوگوں کے ذہن میں راسخ کر دی کہ امریکیوں کی بجائے تاجِ برطانیہ سے وفا کی جائے یہ ہجرت قریباً دس برس تک جاری رہی۔ تاجِ برطانیہ کے ان وفاداروں کے ہمراہ دوسرے ہزارہا امریکن بھی کینیڈا آ گئے۔

اب اس امید کے پیشِ نظر کہ یہ امریکن باشندے انگریزوں کے حمایتی نہیں رہے۔ ۱۸۱۲ء میں صدر میڈیسن نے کینیڈا پر حملہ کر دیا۔ لیکن ان امریکن کینیڈینز کو صدر میڈیسن کی جنگ سے ذرا دلچسپی نہ تھی۔ انہوں نے کچھ تو ہتھیاروں کی تجارت میں روپیہ کمایا اور کچھ دوسری فوجی تجارت میں لگے رہے۔ ان انگریز کینیڈینز نے امریکیوں کو دو محاذوں پر شکست فاش دی۔ ایک ڈی ٹرائٹ کے مقام پر اور دوسرے جھیل شامپلان کے کنارے یہ امریکہ کی طرف سے کینیڈا کو امریکہ میں شامل کرنے کی آخری کوشش ثابت ہوئی۔ اس کے بعد صرف دھمکیوں یا لالچ کے ذریعہ ہی کینیڈا کو پھسلایا گیا لیکن کینیڈا امریکہ سے کنی کتراتا رہا اور اسی طرح انگلستان کی نو آبادی بن گئی۔ ۱۸۳۷ء میں فرانسیسیوں نے اپنے حقوق کے مطالبہ پر بغاوت کی لیکن اسے بھی دبا دیا گیا۔ اسی سال ایک انگریز باغی ولیم میکنزی نے بھی اپنے حقوق کی آواز اٹھائی

اور علم نجاوت بلندی اسے بھی عبرت ناک شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اگرچہ یہ احمقانہ مہمات نظر آتی ہیں لیکن اس سے انگریز قوم ہوشیار ہو گئی اور یہی واقعات پھر آخرکار کینیڈا کے وفاق کی صورت میں نمودار ہوئے اور کینیڈا ایک آزاد قوم کی صورت میں ابھرا۔ اوّل اوّل یہ صرف چار صوبوں پر مشتمل تھا یعنی نووا سکوشیا۔ نیو برنزوک، کیوبک اور اونٹاریو جس کے بارہ میں ایک شخص سر جان میکڈونلڈ نے آواز اٹھائی اگرچہ یہ شخص شرابی اور بالونی تھا لیکن ساتھ ہی بڑا چالاک بھی تھا یہ شخص اس وفاق کا پہلا وزیراعظم مقرر ہوا۔ طرز حکومت پارلیمنٹری تھی سربراہ گورنر جنرل تھا۔ لیکن آخری حکومت یعنی Final Power لنڈن میں ہوتی تھی مگر آزاد صوبوں کا تصور امریکہ سے ملتا جلتا تھا۔ سر جان میکڈونلڈ ہی وہ شخص تھا جس نے کینیڈا کے مشرقی کنارے سے لے کر مغربی کینیڈا کے ساحل تک ریل کی پٹڑی کی تعمیر مکمل کی۔

اب کینیڈا ایک ترقی یافتہ قوم اور ملک کی حیثیت سے ابھر رہا تھا۔ انگلستان اور امریکہ کے کروڑ پتی اس ملک میں اپنا سرمایہ دھڑا دھڑ لگا رہے تھے۔ فیکٹریاں۔ کارخانے اور بڑے بڑے سٹور جلد جلد قائم ہو رہے تھے کانوں کی کھدائی میں روپیہ جھونکا جا رہا تھا۔ امریکن لوگ کینیڈا کی گندم سے کمائی کرنے کے لئے جوق در جوق چلے آ رہے تھے۔

۱۹۰۱ء سے ۱۹۱۱ء تک صرف دس برس میں اس ملک کی آبادی میں ۳۵ فی صد اضافہ ہوا۔ مچھلی کی تجارت کئی گنا بڑھ گئی۔ کوبالٹ کے مقام پر ریلوے لائن بچھانے والوں کھدائی کرتے کرتے کسی جگہ چاندی کی رسلیں ملیں۔ اور ریلوے لائن کے قریب سونے، چاندی، تانبے، زنک اور دیگر کئی قسم کی دھاتوں کی کانیں دریافت ہوئیں اور کینیڈا کے سب سے پہلے فرانسیسی وزیراعظم نے بڑے فخر سے یہ اعلان کیا کہ:۔

"بیسویں صدی کینیڈا کی ہو گی"

لیکن ان سب حقیقتوں کے باوجود کینیڈا کئی جہت سے ایک برطانوی نو آبادی تھا۔ یہاں تک کہ قانونی معاملات میں آخری اپیل برٹش پریوی کونسل میں

ہوئی۔ ۱۹۱۴ء میں برطانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کیا تو برطانیہ سمجھتا تھا کہ کینیڈا اس کا حلیف ہو کر جنگ میں شریک ہے اور ان کا خیال صحیح ثابت ہوا۔ کینیڈا بلا چون و چرا جنگ میں شامل ہو گیا۔ یورپ کے محاذوں پر کینیڈین باشندوں نے بھرپور جنگ لڑی۔ یہاں پہنچ کر انہیں یہ بھی محسوس ہوا کہ ہم بھی ایک قوم ہیں۔ ایک علیحدہ امریکی قوم! لیکن ان سب باتوں کے باوجود یہ ننھی سی قوم اس جنگ میں مستر د کئے دیر کر اس جیت کر لے گئی۔ جنگ کی ابتدا کے وقت کینیڈا کی فوج صرف ایک ڈویژن تھی اور وہ بھی ایک انگریز جرنیل کے ماتحت۔ لیکن جنگ کے آخر پر کینیڈا کی چار ڈویژن جنگ لڑ رہی تھیں اور ان چاروں کے افسران اعلیٰ کینیڈین جنرل تھے۔ جنگ کے اختتام پر کینیڈا نے بطور ایک خود مختار ملک معاہدہ امن پر دستخط کرنے کے لئے اصرار کیا اور لیگ آف نیشنز جو اس وقت کی اقوام متحدہ تھی اس کی رکنیت کی درخواست بھی دے دی۔

اسی جنگ عظیم اول کی وجہ سے اس ملک میں صنعتی ترقی کا دور شروع ہوا۔ ۱۹۲۰ء تک کینیڈا کی صنعتی آمد زرعی آمد سے کہیں بڑھ گئی۔ اس وقت تک سارے کینیڈا کی آبادی بمشکل ۹۰ لاکھ نفوس پر مشتمل تھی لیکن اس کے باوجود یہ ساری دنیا کے لئے اناج گھر کا کام دے رہا تھا اور دنیا کے اکثر ملکوں کو بے دریغ اناج بھجوائے چلا جا رہا تھا۔

اسی زمانہ میں کینیڈا نے ایک اور فیصلہ کن اقدام کیا۔ برطانیہ نے ترکوں کے خلاف کچھ محاذ آرائی کی اور اپنی نوآبادیات کو فوجیں بھجوانے کا حکم دے دیا۔ سو وزیراعظم کینیڈا نے اسے جواب بھجوایا کہ اپنی پارلیمنٹ سے مشورہ کر کے فیصلہ کروں گا۔ اب یہ گویا برطانیہ کے لئے کینیڈا کی تنبیہہ (warning) تھی کہ ہم بھی ایک خود مختار قوم ہیں۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۹۳۱ء میں برطانیہ نے کینیڈا کو مکمل داخلی خود مختاری دے دی اور اس کے چار برس بعد انگلستان کی پریوی کونسل کینیڈا کی آخری عدالت کی حیثیت سے بھی ختم ہو گئی۔

۱۹۳۹ء میں جب جنگ عظیم دوم شروع ہوئی تو کینیڈا کی حیثیت اس بڑے بیٹے کی تھی جو رہتا تو والدین کے ساتھ ان کے گھر میں ہو لیکن ہو خود مختار۔ امریکنوں نے لڑ جھگڑ کر جنگوں سے اپنی آزادی جیتی تھی لیکن کینیڈا کا یہ حال نہ تھا۔ انہوں نے اپنی آزادی کے لئے کوئی جنگ نہ لڑی تھی۔ یہ ملک تو انگلستان کا امتحان کر رہا تھا اور انگلستان بھی یہ سمجھتا تھا کہ اب اس ملک کو زیر نگیں رکھنا ان کے بس کا روگ نہیں ہے۔ کینیڈا کے ارباب حل و عقد محض جذباتی طور پر انگلستان سے تعلق نبھا رہے تھے اور صرف امریکی مخاصمت انہیں انگلستان سے وابستہ کئے ہوئے تھی۔ قومیت کا جذبہ تیزی سے ترقی کر رہا تھا۔ اتنے مہیب وسیع و عریض ملک میں لوگ اپنے آپ کو تنہا محسوس کر رہے تھے اور یہی بات

ان کے قومی جذبات کو ابھارنے کا باعث ہوئی۔

قومی جذبات کی بات جو چلی ہے تو چلتے چلتے یہ بھی سنتے جایئے کہ ۱۹۱۹ء میں کینیڈا برطانیہ کی پہلی نوآبادی تھی جس نے اپنے باشندوں کے لئے برطانوی خطابات پر پابندی لگا دی۔ جنگ عظیم دوم کے شروع ہونے کے بعد یہ ملک جنگ میں شامل ہوا۔ پھر ہر سیاسی پارٹی نے یہ وعدہ لیا کہ ہمارے ہاں جبری بھرتی نہ کی جائیگی اور وعدے وعید کے بعد بادل ناخواستہ جنگ میں شامل ہوئے۔ یہ ملک تو اتحادیوں کے لئے اسلحہ خانہ بن گیا تھا۔ یہاں سے جنگی سامان بن کر دھڑا دھڑ جنگ میں بھجوایا جا رہا تھا۔ کینیڈین سپاہی ہر میدان جنگ میں لڑا اور اپنی تعداد کی نسبت سے بہت زیادہ نقصان اٹھایا۔ لیکن صلح ہونے پر پتہ چلا کہ کینیڈا کی فولاد کی پیداوار دوگنی ہو چکی تھی۔ ایلومینیم کی پیداوار چھ گنا بڑھ گئی تھی۔ نت نئے کارخانے کھل رہے تھے امریکی سرمایہ دھڑا دھڑ لگ رہا تھا۔ عمارتی لکڑی سے دگنی آمد ہو چکی تھی۔ مچھلیوں کی تجارت میں تگنا اضافہ ہو چکا تھا۔ بجلی کی پیداوار ۴۰ فیصد بڑھ گئی تھی۔

کینیڈا ۱۹۴۵ء میں پہلے سے زیادہ امیر پہلے سے زیادہ طاقتور اور فاتح بن کر ابھرا تھا برطانوی شوکت و اقتدار کا سورج ڈھل رہا تھا۔ امریکی قوم کا ستارہ عروج پر تھا لیکن اس کے باوجود اس قوم نے امریکہ کا زیر دست ہونا منظور نہ کیا۔

۱۹۴۹ء میں ایک اور برطانوی نوآبادی نیو فاؤنڈ لینڈ وفاق کینیڈا میں شامل ہو گئی۔ شاید یہ بات آپ کی دلچسپی کا باعث ہو کہ کینیڈین لوگ — نیو فاؤنڈ لینڈ کو جلدی میں "نیوفن لینڈ" کہتے ہیں میرے چھوٹے بھائی مسعود خان صاحب اسی صوبہ کی کانوں میں خاصا عرصہ کام کرتے رہے ہیں۔ جو کام وہ کرتے تھے ہمیں تو یقین نہیں آتا تھا لیکن مسعود چونکہ جھوٹ نہیں بولتا اس لئے یقین آ گیا۔ کرتے وہ یہ تھے کہ چار چار خاص قسم کے ٹرک بغیر ڈرائیوروں کے چلتے تھے پہلے کانوں میں جاتے ان میں خام لوہا لادا جاتا اور پھر یہ ٹرک مال گاڑی کے ڈبوں پر آ جاتے یہاں یہ خام دھاتیں ٹرکوں پر سے اتار کر مال گاڑیوں میں لادی جاتی تھیں۔ مزے کی بات یہ تھی کہ ان چاروں ٹرکوں پر کوئی ڈرائیور یا اور کسی کام کے لئے کوئی آدمی نہ ہوتا تھا بلکہ یہ چاروں ٹرک ریڈیو کے ذریعہ ہمارے بھائی صاحب دور بیٹھے کنٹرول کیا کرتے تھے۔

کینیڈا کی اصل قوت و شوکت اس ملک کا رقبہ یا اس کے باشندے نہیں تھے بلکہ اس کی صنعتی ترقی تھی۔ ملک کا کثیر حصہ بے آباد پڑا تھا۔ آبادی ڈیڑھ کروڑ سے بھی کم تھی لیکن اب ترقی کا دور تیز سے تیز تر ہو گیا تھا۔ مغربی علاقوں میں پیٹرول اور گیس دریافت ہو چکے تھے۔ لیبریڈور میں لوہا نکل آیا تھا۔ اونٹاریو میں یورینیم کا پتہ چل چکا تھا۔ کاروبار اور ملازمتوں کے در کھل گئے تھے۔ باہر سے آنے والوں کا تانتا

بندھ گیا تھا۔ اور "بیسویں صدی کینیڈا کی ہی تھی"۔

جنگِ عظیم دوم کے بعد کا زمانہ کینیڈا کیلئے خوشحالی کا دور لے کر آیا۔ ۱۹۵۰ء کے بعد ترقی کا دور بہت تیزی کے ساتھ شروع ہوا۔ پرانی گڑگڑاتی ہوئی ٹرامیں متروک کر دی گئیں ان کی جگہ نئے چمکتے ہوئے ڈبے بنائے گئے۔ سڑکوں کے اوپر کھمبوں کے ساتھ لٹکی ہوئی بجلی کی تاریں اُدھیڑ دی گئیں ان کی جگہ زمین دوز ریلیں تعمیر ہو گئیں۔ پرانے تاریک قہوہ خانے نہ رہے بلکہ ان کی جگہ ماڈرن ہوٹلوں اور ریستورانوں نے لے لی۔ البرٹا کے صوبہ میں پیٹرول اور گیس بھی دریافت ہو گئے۔ امریکن کروڑپتی لیبریڈور کی لوہے کی کانوں میں روپیہ لگانے لگے۔ دیہات کے لوگ شہروں میں پہنچنے لگے یہاں تک کہ کینیڈا کی ۶۰ فیصد آبادی شہروں میں آباد ہو گئی۔ یہ ۱۹۴۷ء اور ۱۹۵۷ء کے دس سالوں میں کینیڈا کی ترقی کا نقشہ ہے۔ کینیڈین سمجھنے لگا کہ اب ہمارے لئے کوئی چیز ناممکن نہیں اور یہ دنیا میں چوتھے نمبر پر بڑی تاجر قوم بن گئی۔ اس ترقی کی بدولت اب یہ قوم اقوام متحدہ میں بھی نام پیدا کرنے لگی۔ بڑی قوموں کے تنازعے ہوں یا چھوٹی قوموں کے۔ کینیڈا کے نامور سیاستدان بھی ان کے ثالث بن کر جھگڑے نمٹانے لگے۔ یہ کینیڈا کا وزیر خارجہ پیرسن ہی تھا جس نے ۱۹۵۶ء میں اقوام متحدہ میں انگریزوں اور فرانسیسیوں کے نہر سویز پر حملہ کے بارہ میں ریزولیوشن پیش کر کے معاملہ سلجھایا تھا یہی وجہ تھی کہ سال بھر بعد اس عظیم انسان کو امن کا نوبل پرائز بھی ملا تھا۔

اب تک انگلستان کا کوئی بڈھا جرنیل یا کوئی نواب زادہ کینیڈا کا گورنر جنرل ہوا کرتا تھا۔ ۱۹۵۰ء میں مسٹر ونسنٹ میسی پہلا کینیڈین گورنر جنرل بنا۔ میسی فرگوسن ٹریکٹر تو آپ نے سنا ہوگا۔ یہ صاحب اسی خاندان کے فرد ہیں جو ٹریکٹر بنا کر ساری دنیا میں بیچتے ہیں۔ دبلا پتلا لیکن بلا کا ذہین۔ اس شخص نے سارا کینیڈا چھان مارا۔ جہاں کبھی کوئی گورنر جنرل نہ گیا وہاں بھی یہ پہنچا۔ اس شخص نے کینیڈین لوگوں میں حب الوطنی پیدا کرنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ ان دس برسوں یعنی ۱۹۴۷ء سے ۱۹۵۷ء تک اوٹوا "دارالخلافہ" تھا۔ انگریزی میں اس لفظ کے ہجے "OTTAWA" ہیں اور بعض ہندوستانی اور پاکستانی اسے "اٹاوہ" پڑھتے ہیں تو وہاں کے لوگ اس کا بہت مذاق اڑاتے ہیں۔ اس زمانہ میں کینیڈا نے دوسرے کئی ملکوں کو تحائف کے طور پر بھی اور قرض کے طور پر بھی خوب دل کھول کر روپیہ دیا۔ خود کینیڈا میں بڑے بڑے کام مکمل ہوئے۔ لیکن انہی دس برس میں کینیڈین لوگوں نے اس بات پر غور نہ کیا کہ یہ ساری دولت غیر ملکی سرمایہ کی بدولت ہے۔

آخر نتیجہ یہ ہوا کہ کینیڈا کی معاشیات میں دراڑیں پڑ گئیں۔ بے روزگاری نے سر اٹھانا شروع کیا۔ مہنگائی بڑھنی شروع ہو گئی۔ کینیڈا کی مشکلات کا پھر آغاز ہو گیا۔ امریکہ کا سرمایہ دار بہت ہوشیار

نکلا کینیڈا نے کمیشن بٹھائے تا اس انحطاط کی وجہ دریافت کی جائے تو یہی پتہ چلا کہ امریکی سرمایہ انہیں کھائے چلا جا رہا ہے۔

۱۹۶۳ء میں لیبر لیڈر پیرسن وزیراعظم بنا اس نے کئی اصلاحات کیں۔ فوجی اخراجات کو کنٹرول کیا۔ طلاق کا بل پاس کروایا۔ یہاں تک کہ کینیڈا کا اپنا کوئی جھنڈا نہ تھا بلکہ برطانیہ کا یونین جیک ہی ان کا قومی جھنڈا تصور ہوتا تھا۔ اس نے اپنا قومی جھنڈا تجویز کروایا ـــــ "سفید زمین پر سرخ میپل کا پتہ"۔

(باقی آئندہ)

O

ملائشیا
کی چند کہاوتیں

* زندگی میں ہم رسم و رواج کی زنجیروں میں جکڑے رہتے ہیں اور موت کے بعد کفن سے لپٹ کر سو جاتے ہیں۔
* اگر پانی پر کوئی لہر نہیں تو یہ نہ سمجھو کہ تہہ میں کوئی مگرمچھ بھی نہیں۔
* راستہ پوچھتے شرماؤ گے تو بھٹک جاؤ گے۔
* بے وقوف آدمی اونچا بولتا ہے اور بہت بولتا ہے۔
* چیتا مرنے کے بعد کھال اور انسان اپنی شہرت چھوڑ جاتا ہے۔
* سونا واپس کیا جا سکتا ہے مگر احسان واپس نہیں کیا جا سکتا۔
* بدی گیاس کی آگ کی طرح پھیلتی ہے۔
* خوبصورت ترین پھول انسان کا ارادہ ہے
* زیادہ غرانے والا چیتا کبھی شکار نہیں مار سکتا۔

(مرسلہ: جناب سید نسیم احمد ربوہ)

O

مرسلہ: جناب طارق احمد بٹ، کراچی

صدیاں گزر چکی ہیں لیکن قرونِ وسطیٰ کے مسلمان دانشوروں، سائنسدانوں، انجینئروں، طبیبوں اور صنعت کاروں کی تابانیوں میں ذرا بھی فرق نہیں آیا۔ ان کے نظریئے ان کے علوم و فنون ان کی عمارتیں اور ان کی ایجادات آج بھی بہت سے ترقی یافتہ علوم و افکار کی بنیاد ہیں اور بعض نظریات تو تھوڑے بہت فرق کے ساتھ اب تک جوں کے توں موجود ہیں ——— الکندی، فارابی، البیرونی، زاہراوی، جابر بن حیان، یعقوبی، ابن رشد، غزالی، ابن طفیل، محمد بن موسیٰ، مسعودی، بیطار، طوسی، ابوالوفا اور ماوردی ——— یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کارزارِ حیات کے مختلف شعبوں میں تجربے کئے اور فنی اور علمی طریقوں سے انسان کی فلاح و بہبود کے لئے قدرت کے بہت سے رازوں سے پردے اٹھائے فن پیدا کیا اور فن کے ذریعہ انسانیت کے کارواں کو مثبت اور روشن راستے پر لگایا ——— بلاشبہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ لوگ قدیم و جدید فنی و طبی علوم کے درمیان ایک کڑی تھے۔ اگر یہ نہ ہوتی تو شاید عصرِ حاضر بھی اس شکل میں نہ ہوتا۔

مسلمانوں کے دورِ عروج میں زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو تحقیق و ترقی سے محروم رہا علوم و فنون میں ان کو مکمل دسترس حاصل تھی۔ جس کی اہمیت کو اہلِ یورپ نے بھی تسلیم کیا ہے چنانچہ فرانس کے مشہور مؤرخ "موسیو سیدیو" کا بیان ہے:-

"بعض یورپی اہلِ قلم، جنہوں نے عربوں سے ان چیزوں کی ایجاد کا

سہرا چھین کر زبردستی اپنے سر
باندھا ہے۔ کے بیانات سفید
جھوٹ پر مبنی ہیں۔ حقیقت یہ ہے
کہ ان چیزوں کے موجد عرب ہیں
اور عربوں ہی نے اہل یورپ کو ان
کا استعمال سکھایا ہے۔ نیز عربوں
کی نت نئی ایجادیں اس بات کی
شاہد ہیں کہ وہ سب باتوں میں
اہل یورپ کے استاد ہیں"

یہ سائنس و ٹیکنالوجی کی صدی ہے اور یہ
بات سب کو معلوم ہے کہ سائنس کئی اداروں
یا معاشرتی و ذہنی طور پر مربوط مختلف لوگوں کی
مسلسل جدوجہد اور کاوشوں کا نام ہے، جس کے
نتیجہ میں انسانی معاشرے کو ترقی یافتہ بنانے کا
ایک مستقل عمل جاری رہتا ہے۔ جب ہم تاریخ
عالم پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ
انسان اور سائنس یعنی علوم و فنون کا ساتھ بہت
پرانا ہے ——— تمام پرانے سائنسدانوں
میں ایک نمایاں اور اہم نام "جابر بن حیان" کا ہے

یورپ کے تمام محقق اس بات پر متفق
ہیں کہ تاریخ میں پہلا کیمیا دان جابر بن حیان تھا
اہل یورپ میں وہ "جیبر" (GEBER) کے
نام سے مشہور ہے جو جابر کی ایک بگڑی ہوئی
شکل ہے۔

جابر عرب کے جنوبی حصے کے ایک قبیلے
"ازد" کا فرد تھا۔ اس خاندان کے لوگ کوفے میں
آباد ہو گئے تھے۔ اسی شہر میں جابر کے باپ
حیان کی دوا سازی کی ایک بڑی دکان تھی۔ یہ
دوسری صدی ہجری کا ابتدائی زمانہ ہے جب بنی
امیہ کی جگہ بنو عباس کو تخت خلافت پر بٹھانے
کے لئے ایک منظم تحریک شروع ہو گئی تھی۔ یہ
تحریک حقیقت میں ان مظالم کا ردعمل تھی
جو بنو امیہ کی طرف سے کربلا میں اور اس کے
بعد توڑے گئے تھے۔

دوسری صدی ہجری کے آغاز میں یہ تحریک
پوری شدت سے پھیل چکی تھی۔ ایران کا شمالی
صوبہ خراسان اس تحریک کا سب سے بڑا
مرکز تھا۔

اسی زمانہ میں جابر کا والد حیان اس
تحریک میں شامل ہوا اور کوفے میں اپنی دکان کو
چھوڑ کر خراسان کے شہر طوس میں چلا گیا۔ اس
شہر میں اس کا باکمال اور نامور بیٹا جابر ۷۲۲ء
میں پیدا ہوا۔ جابر کی ولادت کے کچھ ہی عرصہ بعد
اس کے باپ کو تحریک میں حصہ لینے کی بنا پر
گرفتار کر لیا گیا اور حکومت کی طرف سے اسے موت
کی سزا دی گئی۔

جابر اور اس کی ماں ایک ایسے ملک میں
بھٹکنے کے لئے رہ گئے جہاں وہ سب کے لئے اجنبی
تھے۔ یہاں ان کا کوئی دوست تھا نہ ہمدرد۔ چنانچہ
جابر کی ماں اپنے ننھے بچے کو ساتھ لے کر عرب

میں چلی گئی اور وہاں اپنے قبیلے کے لوگوں میں رہنے لگی۔ یہاں اس کو ایک لائق استاد کی سرپرستی حاصل ہو گئی جس کا نام "حربی الحمیاری" تھا۔ اس استاد سے جابر نے قرآن پاک ختم کیا اور ساتھ ہی ریاضی اور دوسرے علوم کی بھی تعلیم پائی۔

جب جابر کی عمر چھبیس برس کی ہوئی تو وہ تحریک، جس کی خاطر اس کے باپ حیان نے اپنی جان کی قربانی دی تھی۔ کامیاب ہو گئی اور بنو امیہ کے بجائے خلافت بنو عباس کے ہاتھ آ گئی جس کا پہلا خلیفہ ابو العباس سفاح ۷۴۸ء میں تخت پر بیٹھا۔

جابر اپنے قبیلے کو چھوڑ کر اب مدینہ منورہ میں آیا۔ جہاں اس نے حضرت امام جعفر صادق رحؒ کے دست مبارک پر بیعت کی اور ان کے حلقہ بگوشوں میں شامل ہو گیا۔ اگرچہ جابر کی تحقیق کا میدان سائنس تھا لیکن اس کے باوجود مذہب کا رنگ بھی تمام عمر غالب رہا۔

مدینہ منورہ سے آکر جابر نے کوفے میں رہائش اختیار کی جو ایک طرح سے اس کا آبائی شہر بھی تھا۔ یہاں اس نے اپنی تجربہ گاہ قائم کی اور کیمیا کی ان تحقیقات کی تکمیل کی جن کی وجہ سے اس کو دنیا کا پہلا کیمیادان ہونے کا اعزاز ملا۔

جب دو سو سال بعد یعنی گیارھویں صدی میں کوفے کے اس علاقے کی، جو دمشقی دروازے کے اندر واقع تھا۔ کھدائی کی گئی تو جابر بن حیان کی اس تجربہ گاہ کے آثار برآمد ہوئے اور اس کے بعض کیمیاوی آلات بھی ملے۔

جابر کا مطالعہ بہت وسیع تھا اور اسے یونانی زبان پر بھی عبور حاصل تھا وہ اپنے زمانے کے ان چند لوگوں میں سے تھا جنہوں نے یونانی زبان سے براہ راست علم حاصل کر کے اسے عربی زبان میں منتقل کیا۔

جابر کی تحقیق کا اصلی میدان کیمیا تھا لیکن اس کی بعض مشہور تصنیفات دیگر علوم پر بھی تھیں ——— اقلیدس کے ہندسے اور ——— بطلیموس کی "مجسطی" پر، جو اس زمانہ میں جیومیٹری اور ہیئت، کی بہت مشہور کتابیں تھیں اس نے شرحیں تحریر کی تھیں ——— اس کے علاوہ اس نے ایک رسالہ منطق پر ایک رسالہ علم شاعری پر، اور ایک رسالہ انعکاس روشنی پر بھی لکھا تھا۔

۷۸۶ء میں جب جابر کی عمر ۶۴ سال کی تھی خلافت عباسیہ کا نامور تاجدار ہارون الرشید تخت سلطنت پر بیٹھا۔ وہ نہ صرف خود علماء کا قدردان اور سرپرست تھا بلکہ اس کے دونوں لائق وزیر یحییٰ برمکی اور جعفر برمکی بھی علم و فن کے شیدائی تھے۔ اسی لئے ہارون الرشید کا زمانہ تاریخ میں علم و فن کی ترقی کا زریں عہد سمجھا جاتا ہے جو اس کے بعد اس کے لائق فرزند مامون الرشید کے زمانہ سلطنت میں اپنے عروج کو پہنچا۔

جب جابر کے فن کی شہرت بغداد تک پھیلی تو ہارون الرشید کے دوسرے وزیر جعفر برمکی نے جابر کو بغداد بلایا۔ جابر اگرچہ وزیر مملکت جعفر برمکی کی سرکار ہی سے منسلک رہا لیکن متعدد بار خلیفہ ہارون الرشید کے دربار میں بھی باریابی کا موقع ملا چنانچہ اس نے کیمیا پر جو ایک کتاب اس زمانے میں لکھی تھی۔ وہ ہارون الرشید ہی کے نام پر معنون کی گئی تھی۔ جابر چند سال تک بغداد میں رہا۔ اور ایک دن خاموشی سے بغداد کو چھوڑ کر کوفے میں آگیا اور یہاں کیمیائی تحقیقات اور تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گیا۔ جابر نے بہت لمبی عمر پائی ——— جب مامون الرشید ۸۱۳ء میں تخت نشین ہوا تو جابر زندہ تھا اور اس کی عمر ۹۰ سال سے زیادہ تھی ——— جابر نے ۸۱۷ء میں اس دارِ فانی سے کوچ کیا اور وفات کے وقت اس کی عمر ۹۵ سال تھی۔

جابر کے زمانے میں کیمیا کی ساری کائنات "مہوسی" تک محدود تھی۔ یہ وہ علم تھا جس کے ذریعہ کم قیمت دھاتوں مثلاً پارے یا تانبے یا چاندی کو سونے میں منتقل کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور جو لوگ اس کوشش کو اپنی زندگی کا مقصد بنا لیتے تھے۔ وہ "مہوس" کہلاتے تھے ——— جابر اگرچہ یہ یقین رکھتا تھا کہ کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کیا جا سکتا ہے لیکن اس کی تحقیقات کا دائرہ اس کوشش رائیگاں سے کہیں زیادہ وسیع تھا ——— وہ کیمیا کے تمام تجرباتی عملوں مثلاً حل کرنا، فلٹر کرنا، کشید کرنا، عمل تصعید (Sublimation) سے اشیاء کا جوہر اڑانا اور قلماؤ (Crystal-lisation) کے ذریعہ اشیاء کی قلمیں بنانا۔ ان سب سے نہ صرف واقف تھا بلکہ اپنے کیمیائی تجربوں میں ان سے بکثرت کام لیتا تھا ——— اسی لحاظ سے وہ تجرباتی کیمیا کا بانی تھا ——— اور یہی وہ خصوصیت ہے جس کے باعث اس کا شمار قدیم زمانے کے ممتاز سائنسدانوں میں ہوتا ہے۔

جابر بن حیان اپنی کتاب میں کہتا ہے:۔

"کیمیا میں سب سے ضروری شے تجربہ ہے۔ جو شخص اپنے علم کی بنیاد تجربے پر نہیں رکھتا وہ ہمیشہ غلطی کھاتا ہے۔ پس اگر تم کیمیا کا صحیح علم حاصل کرنا چاہتے ہو تو تجربوں پر انحصار کرو اور صرف اسی علم کو صحیح جانو جو تجربے سے ثابت ہو جائے ——— ایک کیمیادان کی عظمت اس بات میں نہیں ہے کہ اس نے کیا کچھ پڑھا ہے۔ بلکہ اس بات میں ہے کہ اس نے کیا کچھ تجربے کے ذریعہ ثابت کیا ہے۔"

دھاتوں کے متعلق جابر کا نظریہ یہ تھا کہ تمام دھاتیں گندھک اور پارے سے بنتی ہیں۔ جب دونوں اشیاء بالکل خالص حالت میں ایک دوسرے کے ساتھ کیمیائی ملاپ کرتی ہیں تو سونا پیدا ہوتا ہے لیکن جب وہ ناخالص حالت میں کیمیائی طور پر ملتی ہیں تو دیگر کثافتوں کی موجودگی اور ان کی مقدار کی کمی بیشی سے دوسری دھاتیں مثلاً چاندی، جست، تانبہ، لوہا وغیرہ ظہور میں آتی ہیں ——— اس نظریے کے مطابق چونکہ دیگر دھاتوں اور سونے کی کیمیائی ترکیب میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں ہے۔ اس لئے کم قیمت دھاتوں کو سونے میں تبدیل کر لینا عین ممکن ہے ——— دھاتوں کے متعلق جابر کا یہ نظریہ کم و بیش اٹھارہویں صدی تک قائم رہا۔

عمل تکلیس، جسے عام زبان میں دھات کا کشتہ بنانا کہتے ہیں۔ وہ عمل ہے جس کے ماتحت ایک دھات کو گرمی پہنچا کر اس کا اوکسائڈ (اور بعض حالتوں میں اس کا کوئی اور مرکب) تیار کیا جاتا ہے۔ جابر اس عمل سے خوب اچھی طرح واقف تھا۔ چنانچہ اس نے اس خاص عمل پر ایک جامع اور عمدہ کتاب تصنیف کی ہے جس میں اس نے دھاتوں کے مرکبات یعنی کشتے بنانے کے طریقے وضاحت کے ساتھ بیان کئے ہیں۔

جابر بن حیان نے اپنی کیمیا کی متعدد کتابوں میں فولاد بنانے، چمڑہ رنگنے، دھاتوں کو مصفیٰ کرنے، موم جامہ بنانے، لوہے کو زنگ سے بچانے کے لئے اس پر وارنش کرنے، بالوں کو سیاہ کرنے کے لئے خضاب تیار کرنے اور اس قسم کی بیسیوں مفید اشیاء بنانے کے طریقے بیان کئے ہیں۔ ان اشیاء کی تیاری موجودہ زمانے میں بھی کافی مشکل سمجھی جاتی ہے اور اسے سرانجام دینے کے لئے بہت زیادہ فنی قابلیت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ ایک ایسے زمانے میں جب کیمیا کا علم موجودہ زمانے کی نسبت بے حد محدود تھا۔ جابر کے لئے ان مفید اور کارآمد اشیاء کا ایجاد کر لینا صنعتی کیمیا میں اس کے اعلیٰ علم اور بے مثال فنی مہارت کی دلیل ہے۔

آلاتِ کیمیا میں "قرع انبیق" جابر کی خاص اور قابلِ قدر ایجاد ہے جس سے کشید کرنے، عرق کھینچنے اور ست یا جوہر نکالنے کا کام لیا جاتا تھا یہ آلہ دو علیحدہ علیحدہ برتنوں پر مشتمل ہوتا تھا۔ جن میں سے ایک کو قرع اور دوسرے کو انبیق کہتے ہیں ——— قرع عموماً ایک صراحی شکل کا ہوتا تھا جس کی گردن چوڑی مگر چھوٹی ہوتی تھی۔ انبیق بھبکے کی شکل کا تھا جس کے پہلو میں ایک لمبی نالی لگی ہوتی تھی۔ یہ دوسرا حصہ (یعنی انبیق) پہلے حصے (یعنی قرع) کے اوپر صحیح طور پر آ جاتا تھا اور اس میں پھنس جاتا تھا۔ قرع اور انبیق دونوں بہت اعلیٰ چکنی مٹی کے بنائے جاتے تھے اور انھیں خاص ظرفوں میں پکایا جاتا تھا ———

جب قرع انبیق سے کسی مائع کو کشید کرنا ہوتا تو اسے قرع میں ڈال دیا جاتا یا اگر کسی شئے کا عرق نکالنا ہوتا تو اسے بھی پانی میں بھگو کر قرع میں بھر دیا جاتا۔ پھر اس کی گردن میں انبیق کو الٹا کر کے لگا دیا جاتا اور دونوں کے مقامِ اتصال کو "ہوا روک" بنانے کے لئے وہاں گندھے ہوئے آٹے یا بھیگی ہوئی گاچنی مٹی کی لیپ کر دی جاتی۔ اس کے بعد قرع کو اسی حالت میں چولہے پر رکھ کر آگ سے حرارت پہنچائی جاتی۔ حرارت کے اثر سے ان اشیاء میں سے، جو قرع کے اندر پڑی ہوتیں۔ بخارات اٹھنے شروع ہو جاتے۔ یہ بخارات انبیق میں داخل ہو کر اس کی لمبی نالی میں سے باہر نکلتے۔ اس نالی کے ساتھ ایک بوتل لگا دی جاتی اور بوتل کے بیرونی حصے کو ٹھنڈے پانی میں ڈبو کر رکھ دیا جاتا۔ بوتل کے اندر ٹھنڈک لگنے سے یہ بخارات دوبارہ مائع بن جاتے۔ یہی مائع قرع میں ڈالی ہوئی اشیاء کا عرق یا جوہر یا عطر ہوتا تھا۔

جابر نے شورے کے تیزاب کو جو اس کی اہم ترین دریافتوں میں سے ہے۔ اسی قرع انبیق کی مدد سے بنایا تھا۔ موجودہ زمانے میں شورے کے تیزاب کو تیار کرنے کا طریقہ جسے تجربہ گاہوں میں استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ ہے کہ ایک ریٹارٹ میں جو دراصل قرع انبیق ہی کی ترمیم یافتہ صورت ہے۔ قلمی شورہ ڈال کر اس میں گندھک کا تیزاب ملا دیا جاتا ہے۔ پھر ریٹارٹ کو آگ کی حرارت پہنچائی جاتی ہے جس میں گندھک کا تیزاب کیمیائی طور پر شورے پر عمل کرتا ہے اور اس کے نتیجے میں شورے کا تیزاب اور ایک ٹھوس مرکب جسے کیمیا کی زبان میں "پوٹاشیم سلفیٹ" کہتے ہیں۔ بنتے ہیں۔ پوٹاشیم سلفیٹ تو ریٹارٹ ہی میں رہتا ہے مگر شورے کی تیزاب کے بخارات ریٹارٹ کی گردن میں سے باہر نکل کر ایک صراحی میں چلے جاتے ہیں جس کے اندر ریٹارٹ کی گردن داخل کی جاتی ہے اس صراحی کو پانی میں رکھا جاتا ہے جس کے باعث تیزاب کے بخارات دوبارہ ٹھنڈے ہو کر مائع بن جاتے ہیں۔ صراحی میں جمع شدہ یہی مائع شورے کا تیزاب ہوتا ہے۔

جابر بن حیان نے شورے کے تیزاب کی تیاری
میں گندھک کو براہ راست استعمال نہیں کیا تھا بلکہ
اس مقصد کے لئے اس نے عام دستیاب ہونے والی
تین چیزوں یعنی پھٹکڑی (Alum) ہیراکسیس
(Ferrus sulphate) اور قلمی شورے
(Nitre) سے کام لیا تھا ——— اپنی
ایک کتاب میں جابر بن حیان، قلمی شورے کی تیاری
کے بارے میں لکھتا ہے :-

"میں نے ترع میں کچھ پھٹکڑی، ہیراکسیس
اور قلمی شورہ ڈالا اور اس کے منہ کو
انبیق سے بند کر کے اسے کوئلوں کی
آگ پر رکھ دیا۔ تھوڑے عرصہ کے بعد
میں نے دیکھا کہ حرارت کے عمل سے
انبیق کی نلی میں سے دھوئیں رنگ کے
بخارات نکل رہے تھے۔ یہ بخارات
بیرونی برتن میں، جو تانبے کا تھا، داخل
ہو کر مائع کی حالت میں بدل جاتے ہیں
لیکن یہ مائع اتنا تیز تھا کہ اس نے
تانبے کے برتن میں سوراخ پیدا کر دیئے
میں نے اس کو چاندی کی کٹوری میں جمع
کرنے کی کوشش کی لیکن اس میں بھی
اس مائع سے سوراخ پڑ گئے۔ چمڑے
کی تھیلی میں بھی اس مائع نے چھید ڈال
دیئے۔ خود ترع انبیق کو بھی اس سے
نقصان پہنچا اور اس کا رنگ اتر گیا۔
میں نے اس مائع کو انگلی لگائی تو میری
انگلی جل گئی اور مجھے کئی روز تک
تکلیف رہی ——— میں نے
اس مائع کا نام تیزاب رکھا ہے اور
چونکہ اس کی تیاری میں قلمی شورے کی
مقدار زیادہ ہے اس لئے اس کو قلمی
شورے کا تیزاب کہنا مناسب ہوگا
——— عام اشیاء میں سے ایک
سونا اور دوسرا شیشہ یہی دو چیزیں
مجھے ایسی مل سکی ہیں جن پر اس تیزاب
کا کچھ اثر نہیں ہوتا۔"

اس کامیابی سے جابر بن حیان کا حوصلہ
بڑھا اور اس نے ان تجربات کو جاری رکھا اور ترع
انبیق کے اس طریقے سے پھٹکڑی اور ہیراکسیس کو
حرارت پہنچا کر ایک اور مائع حاصل کیا۔ یہ کافی گاڑھا
قسم کا محلول تھا اور اس کی دھار تیل کی سی تھی۔ اس لئے
جابر نے اس کا نام "ہیراکسیس کا تیل" رکھا۔ یہ مائع
کاغذ کو گلا دیتا تھا اور جب اس کو کھانڈ پر ڈالا جاتا
تھا تو کھانڈ کا رنگ سیاہ ہو جاتا تھا۔ پانی ملانے
سے اس مائع میں بہت زیادہ حرارت پیدا ہوتی تھی
جس کے باعث اس کا درجہ حرارت بڑھ جاتا تھا۔
یہ مائع بھی ایک قسم کا تیزاب تھا جو شورے کے تیزاب
جتنا تیز نہ تھا مگر سرکہ اور لیموں کے رس سے بہت
زیادہ طاقتور تھا ——— موجودہ زمانے میں اس
تیزاب کو گندھک کا تیزاب یا سلفیورک ایسڈ کہتے

ہیں اور اسے گندھک سے براہِ راست حاصل کیا جاتا
ہے لیکن جابر بن حیان کو یہ علم نہ تھا کہ اس کا گندھک
کے ساتھ کوئی تعلق ہے وہ اُسے ہیرا کسیس
(Ferrus Sulphate.) کا تیل ہی کہتا تھا

قرع انبیق کی مدد سے جابر نے جو تجربے کئے
ان میں پہلا قابلِ ذکر تجربہ تو وہی تھا جس میں اس نے
پھٹکڑی، ہیرا کسیس اور قلمی شورے کو گرم کرکے
شورے کا تیزاب بنایا تھا۔ اپنے دوسرے کامیاب
تجربے میں اس نے ان تینوں اشیاء میں سے قلمی شورے
کو خارج کر دیا اور صرف پھٹکڑی اور ہیرا کسیس کو
حرارت پہنچا کر ہیرا کسیس کا تیل (گندھک کا تیزاب)
حاصل کیا ——— مگر اپنے تیسرے کامیاب
تجربے میں اس نے ان اشیاء یعنی پھٹکڑی، ہیرا کسیس
اور قلمی شورے میں ایک چوتھی شے نوشادر کا اضافہ
کیا اور ان چاروں اشیاء کو قرع انبیق کے مذکورہ بالا
طریق سے گرم کرکے ایک نیا تیزاب حاصل کیا جو
شورے کے تیزاب سے بھی زیادہ طاقتور تھا۔ شورے
کا تیزاب عام دھاتوں کو تو آسانی سے گلا دیتا تھا،
لیکن سونے پر اس کا کچھ اثر نہ ہوتا تھا۔ مگر جابر کا یہ
نیا مائع سونے کو بھی گلا دیتا تھا ———

چونکہ سونا بادشاہوں کی دھات تھی اور یہ مائع
اس شاہی دھات کو بھی حل کر دیتا تھا اس لئے جابر
بن حیان نے اس کا نام " ماء الملوک " رکھا
جس کے لفظی معنی "بادشاہوں کے پانی" کے ہیں۔
جدید تحقیقات کے مطابق جابر کا یہ
"ماء الملوک" شورے کے تیزاب اور نمک کے تیزاب
کا ایک آمیزہ ہے لیکن جابر بن حیان کو اس حقیقت
کا علم نہ تھا۔ اس لئے وہ اس "ماء الملوک" کو ایک
ہی تیزاب خیال کرتا تھا۔

جابر بہت چھوٹی عمر میں یتیم ہو گیا تھا۔ اس
کا باپ حکومت کا معتوب تھا اور بغاوت کے جرم
میں قتل ہوا تھا۔ جابر کی تربیت عرب کے ایک
دور افتادہ اور پسماندہ علاقے کے ایک بدوی قبیلہ
میں ہوئی تھی جہاں اس نے اپنے بچپن اور جوانی کے
ایام گزارے تھے۔ یہ تینوں امور ایسے تھے جن کے
باعث اس زمانہ کی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کا کوئی
موقع اسے میسر نہیں آسکتا تھا۔ لیکن جب ہم دیکھتے
ہیں کہ ان ناسازگار حالات کے باوجود اس نے اپنی
انتھک محنت، قابلیت اور ذہانت سے سائنس
میں اپنے لئے بہت اعلیٰ مقام حاصل کر لیا جو اس
دور میں کسی اور کو حاصل نہ ہوا تھا تو ہمیں دل کی
گہرائی سے اس کی عظمت کا اعتراف کرنا پڑتا ہے

جابر بن حیان اپنے عہد کا قابل ترین
کیمیا دان تھا جس کا ثانی کیمیائی تاریخ میں آئندہ
چھ صدیوں تک کوئی پیدا نہ ہوا۔

O

دفتر سے خط و کتابت کرتے وقت چٹ نمبر کا
حوالہ ضرور دیں۔ — مینیجر

جرم و سزا

عجیب و غریب سزائیں

مرسلہ محترم جناب ع - ر - محمود

جب سے انسانی معاشرہ قائم ہوا ہے اور انسان نے کسی قانون یا اصول کے تحت زندگی گزارنا شروع کی ہے اسی وقت سے ہی انسانی معاشرے میں سزا کا تصور پایا جاتا ہے۔ جب ہم انسانی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ ہر دور میں ہر جرم کے لئے کوئی نہ کوئی سزا مقرر رہی ہے۔ تاریخ کے اوراق سے ہم کچھ ایسی سزائیں ڈھونڈ کر لائے ہیں جو اپنی خصوصیت کے اعتبار سے یکتا اور منفرد اہمیت کی حامل ہیں۔

● نپولین بونا پارٹ فرانس کا ایک عظیم فاتح گزرا ہے اس کے زمانہ کا ایک واقعہ بڑا مشہور ہے۔ نپولین کی فوج میں ایک شخص "ساوال" نامی ملازمت کرتا تھا۔ ایک دفعہ جب اسے کوئی سرکاری کام کرنے کو کہا گیا تو اس نے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ "میں کام کرنے کے قابل نہیں ہوں۔ میری کمزوری اتنی زیادہ بڑھ چکی ہے کہ اب صرف بیٹھ سکتا ہوں کوئی کام نہیں کر سکتا۔" اس شخص کی اس حکم عدولی پر اسے یہ سزا سنائی گئی کہ وہ اس وقت تک مرغی کے انڈوں پر بیٹھا رہے جب تک انڈوں میں سے چوزے نہ نکل آئیں۔ سزا کا دوسرا پہلو یہ تھا کہ کوئی انڈہ ٹوٹنے بھی نہ پائے۔ چنانچہ وہ شخص مسلسل کئی دنوں تک مرغی کے انڈوں پر بیٹھا رہا اور اسے اس وقت اس عذاب نما سزا سے نجات ملی جب انڈوں سے واقعی ننھے ننھے خوبصورت چوزے نکل آئے۔

● ایسی ہی دلچسپ اور حیرت انگیز سزا کا ذکر ہے کہ ایک شخص جس کا نام "اڈولف ڈلنگ" ہے۔ آج کل وہ مینسٹر جیل میں سزا کاٹ رہا ہے۔ اس قیدی کو چودہ ہزار نوسو پچھتر (۱۴۹۷۵) سال کی قید کی سزا سنائی گئی۔ یہ شخص شراب بنانے کا کام کرتا تھا۔ ایک بار ٹیکس ادا نہ کرنے پر اسے عدالت کی طرف سے آٹھ کروڑ بیس لاکھ (۸،۲۰،۰۰،۰۰۰) مارک جرمانہ کی سزا دی گئی عدالت نے اپنے فیصلہ میں یہ بھی تحریر کیا کہ اگر وہ جرمانہ ادا نہ کرنا چاہے تو اسے ہر پندرہ مارک کے عوض ایک دن جیل میں رکھا جائے۔

جب اڈولف ڈلنگ نے اتنی بھاری رقم کی ادائیگی سے معذوری ظاہر کی تو ۱۹۲۷ء میں اسے

جیل میں بند کر دیا گیا۔ اب تک وہ شخص ۵۰ سال کی قید کاٹ چکا ہے اور ابھی ۱۴۹۲۵ سال کی سزائے قید باقی ہے۔

یہ سزائیں انسان تک ہی محدود نہیں۔ چند ایک ایسی سزائیں بھی ہیں جو انسانوں کو نہیں بلکہ جانوروں اور دریاؤں وغیرہ کو دی گئیں۔

● جرمن میں ایک بار پسوؤں کی وبا خطرناک حد تک پھیل گئی۔ مونسٹر کے شہریوں نے عدالت عالیہ سے اس کی شکایت کی۔ عدالت نے پسوؤں کو ان کے غیر قانونی رویہ پر سمن جاری کیا اور انہیں عدالت میں پیش ہونے کے لئے کہا۔ لیکن جب پسوؤں نے عدالت کے اس سمن کا کوئی نوٹس نہ لیا اور عدالت میں پیش نہ ہوئے تو عدالت نے انہیں مجرم قرار دے کر دس سال تک ان کے حقوق شہریت چھین کر شہر بدر کرنے کا حکم دے دیا۔ عدالت کے فیصلے کی زبان "مجرموں" کے خلاف غیظ و غضب سے بھرپور ہے۔

حضرت انسان کا سزا دینے کا شوق کہاں سے کہاں تک آپہنچا اس کا اندازہ اس واقعہ سے بھی لگائیے!

● دریائے دیالا (عراق) تاریخ میں سب سے پہلا دریا ہے جسے سزا دی گئی تھی۔ اس سزا کا فیصلہ ایران کے ایک بادشاہ نے کیا۔ ایک دن وہ دریا عبور کر رہا تھا کہ اس کا گھوڑا دریا میں ڈوب گیا۔ بادشاہ کو گھوڑے سے بڑا پیار تھا۔ اس کی موت نے بادشاہ کے جذبۂ انتقام کو ہوا دی اور بادشاہ نے دریا سے انتقام لینے کا مصمم ارادہ کر لیا۔ چنانچہ اس کے حکم پر دریا کو ۳۶۰ نہروں میں تقسیم کر کے اس کا راستہ بند کر دیا گیا۔ دریا کی یہ "ناکہ بندی" ہزاروں سال قائم رہی۔ ریت کے باعث نہریں پٹ گئیں تو دریا پھر اپنے پرانے راستے پر بہنے لگا۔

● ایک اور انتہائی عجیب سزا کا واقعہ ہے کہ ۰۰ ہ قبل مسیح میں یونانی پارلیمنٹ میں یونان کے مشہور ماہر قانون دان کیلالنس نے ایک عجیب و غریب سزا کا اعلان کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ کیلالنس ایک دفعہ پیٹ کے درد میں مبتلا ہوا۔ چنانچہ اس نے پارلیمنٹ سے یہ اتفاق رائے سے یہ بل منظور کروا لیا کہ پیٹ درد کو یونانی سلطنت سے جلا وطن کیا جاتا ہے۔

○
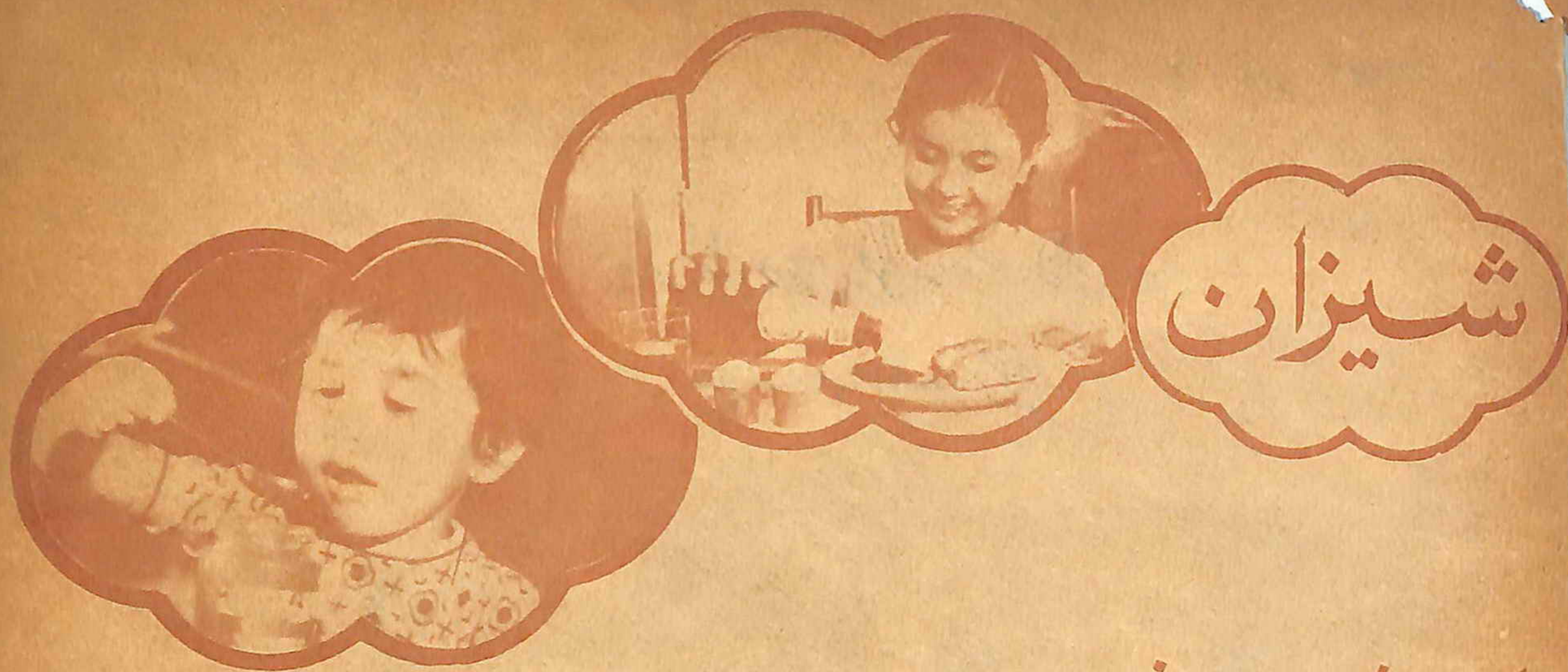
شیزان
ایک بار نہیں سو بار نہیں
میں تو کہوں گی لاکھوں بار
شیزان کی ہر چیز ہے سب سے مزے دار
شیزان انٹرنیشنل لمیٹڈ ۔ بند روڈ ۔ لاہور